www.urducouncil.nic.in

مارچ 2019، قیمت :- ₹10/-

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

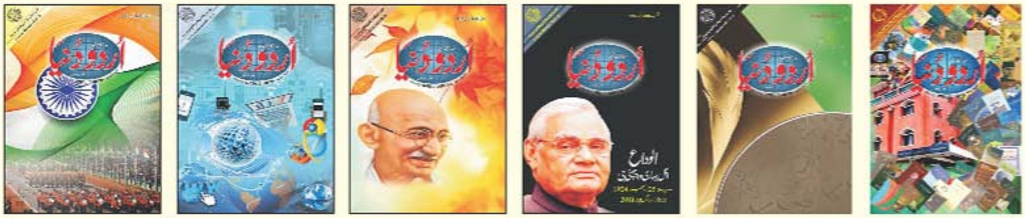

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضامین	محمد قدرت خدا... ایک گمنام	عبدالودود انصاری	06
	وقت کی قدر کیجیے	شمس الاسلام فاروقی	10
نظمیں	بسنت بہار	عطاء الرحمن طارق	13
	پند سودمند	مختار ٹونکی	13
	اتحاد کی طاقت	سید بشیر احمد بشیر سولاپوری	14
مضامین	راجہ بائی ٹاور	نیہا سلیم	15
	سحر خیزی	رفیق گلاب	18
نظمیں	طرفہ ہے رتبہ نئے سال کا	کرشن گوتم	20
	پیدائش امیر خسرو یوم اردو	انصار احمد معروفی	21
	کیونکہ... میں تھی اک لڑکی؟	صبا منیر	21
کہانیاں	بھینس کی جیت	متین اچل پوری	22
	نیا دوست	اشتیاق سعید	25
	اچھن میاں اور سانپ	بابو آر کے	28
	ہوم ورک	عبدالوہاب قاسمی	31
	گھر کا نہ گھاٹ کا	مہروز فاطمہ	34
نظمیں	گلہری	علی عباس	37
	وقت	یونس غازی	38
کہانی	خالہ کریمن	سفینہ بیگم	39
باتصویر کہانی	زمین	قاسم خورشید	42
قسط وار ناول	شہر میں جنگل	کمارن ست سیوم	47
کہکشاں	امتحان	پروانہ برہانپوری	53
	اقوال زریں	شیخ عظمیٰ حنیف	54
	سنہری باتیں	انا جاں نثار احمد نیک	55
	دعا	محمد ارقم	55
	ہنسی کے غبارے		57
ننھے فنکار	دوستی	جویریہ فردوس	58
	تاج محل	ابوبکر نور محمد	59
	بچوں کی پینٹنگ		60
	فیس بک		62

بچوں کی دنیا

جلد: 7 شمارہ: 03 مارچ 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

شعبہ ادارت: 11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ /100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 24415194-040

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! ہم سب انسانوں کو کائنات کی سب سے افضل مخلوق بنا کر دنیا میں اعلیٰ مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ ہم سب پر جہاں خالقِ کائنات کی اطاعت فرض ہے وہیں ہم پر ایک اچھا، بہتر اور کامیاب انسان بننا بھی لازمی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کامیاب انسان کون ہے؟ کس انسان کو ہم حقیقی معنوں میں کامیاب کہہ سکتے ہیں؟ کیا محض ڈھیر ساری دولت اور بنگلہ و گاڑی خرید لینے والے کو کامیاب کہا جائے گا؟ کیا بہت اچھی ملازمت پا جانے والے شخص کو ترقی یافتہ قرار دیا جائے گا؟ صحیح بات یہ ہے کہ دولت، ملازمت اور ڈھیر ساری چیزوں کا حاصل کر لینا حقیقی کامیابی نہیں ہے کیونکہ بظاہر کامیابی حاصل کرنے اور حقیقی معنوں میں کامیاب اور آئیڈیل انسان بننے میں فرق ہے۔ کامیابی محض یہ نہیں کہ آپ اپنے بارے میں سوچیں اور دوسروں کو نظر انداز کر دیں بلکہ دوسروں کے بارے میں مثبت سوچنا اور ان کا بھلا کرنا ہی آپ کی کامیابی ہے۔ دنیاوی ترقی ہی کامیابی نہیں ہوتی بلکہ اصل ترقی و کامیابی یہ ہے کہ آپ اپنی چھوٹی سی زندگی میں اپنے آس پاس کے لوگوں اور غریبوں کی کتنی مدد کرتے ہیں۔ اہلِ خانہ کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں اور رشتوں کو کتنی اچھی طرح نبھاتے ہیں۔ کامیاب انسان ہمیشہ کچھ نیا کرنے اور سیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ صبر اور شکر کو کامیابی زینہ کہا جاسکتا ہے۔ زیادہ ہوس اور دوسروں کو تکلیف پہنچانا کامیابی سے دور کر دینے والا عمل ہے۔ کامیابی کے لیے وقت کی قدر بھی ضروری ہے۔ دنیا کے کامیاب ترین انسانوں کی زندگی کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انھوں نے وقت کا بہترین استعمال کیا۔ ہم اکیسویں صدی میں جہاں ٹکنالوجی اور نئی ایجادات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں وہیں ہم نے مطالعہ کی عادت ختم کر دی ہے جبکہ مطالعے اور کتب بینی کی عادت بھی کامیاب بنانے میں معاون ہے۔ مشہور سیاح، مصنف اور سائنس داں بنجامن فرینکلن، مشہور تاجر وارن بفٹ، دنیا کے سب سے امیر شخص بل گیٹس، فیس بک کے مالک مارک زکر برگ جیسے لوگ اپنی کامیابی میں مطالعے کی عادت کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں۔ معروف یونانی مفکر ارسطو نے کہا تھا کہ ''ہم وہی ہوتے ہیں جو ہم مسلسل کرتے ہیں، یعنی ہماری اعلیٰ کارکردگی ہمارا عمل نہیں ہوتی بلکہ ہماری عادت ہوتی ہے۔ عادت ہماری زندگی کا حصہ ہوتی ہے اور ہم کوئی اچھی عادت کو اپنالیں تو یقیناً کامیاب ہو سکتے ہیں۔ چینی کہاوت ہے کہ ایک طویل سفر کی شروعات پہلے قدم سے ہوتی ہے اس لیے آپ سب بھی اچھی عادتوں کو اپنائیں اور اپنے جائز مقصد کے حصول کی تحت سفر کا آغاز کریں۔

نئے سال میں کئی اچھی خبریں سننے کو ملی ہیں۔ کوٹہ، راجستھان کے شاداب حسین نے سی اے جیسے مشکل امتحان میں اپنی پہلی کوشش میں ہی پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ انھوں نے 800 نمبر میں سے 597 نمبر حاصل کیے۔ اسی طرح میوات ہریانہ کے سلمان علی نے انڈین آئیڈیل سیزن کا خطاب اپنے نام کیا۔ مشہور خلائی ایجنسی ناسا NASA نے تین ہندوستانی بچوں اندر پرتھ، سری ہن اور تھیمی کیلن کے بھیجے آرٹ ورک کو اپنے 2019 کے کلینڈر کے لیے منتخب کیا ہے۔ بچوں کے ذریعے بنی ہوئی ان تصویروں میں خلائی سائنس کے مختلف پہلوؤں کو دکھایا گیا ہے۔ ہندوستان کی قومی کرکٹ ٹیم نے بھی نئے سال میں ہم سب کو آسٹریلیا میں ٹسٹ اور ونڈے سیریز جیت کر بہت بڑا تحفہ دیا۔ ہندوستانی ٹیم نے آسٹریلیا میں ہندوستان کی آزادی کے 71 ویں سال میں پہلی دفعہ ٹسٹ سیریز جیتی ہے۔

اب آپ 'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ پڑھیں۔ ہم نے رسالے میں آپ کے لیے دلچسپ کہانیاں اور معلوماتی مضامین شامل کیے ہیں۔ آپ کی رائے کا ہمیں انتظار رہے گا۔ آپ کی رایوں اور مشوروں کی روشنی میں ہم 'بچوں کی دنیا' کو سجاتے سنوارتے ہیں۔

آپ کا

عقیل احمد

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

دور افتادہ علم کے ایک طالب علم کو آپ کے ادارے سے 'اردو دنیا'، فکر و تحقیق اور بچوں کی دنیا' باقاعدگی سے مل رہا ہے۔

میں رسائل کو ضرور پڑھتا ہوں اور میل سے رسید بھی دیتا ہوں اگرچہ یہ کام تسلسل سے انجام نہیں دے پاتا ہوں مگر آپ کی کریمانہ محبت سے پُر امید ہوں کہ آپ اس ضمن میں میری کوتاہی اور مصروفیت کو درگزر فرمائیں گے۔

مجھے فکر و تحقیق کا شمارہ اکتوبر-دسمبر 2018 ملا اور آج ہی بچوں کی دنیا کا تازہ شمارہ جنوری 2019 بھی موصول ہوا۔

'اردو دنیا' بھی ملتا رہتا ہے۔ یقین کیجیے ان تینوں رسالوں میں اس قدر کارآمد مواد ہوتا ہے کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔ میں تو اسے پڑھتا ہی ہوں مگر میری لائبریری میں آنے والے دوست احباب اور طلبہ و طالبات جو اردو میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے آتے ہیں وہ بھی اس سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔

خاص کر بچوں کی دنیا کو میں اپنے دفتر لے جاتا ہوں اور پہلے وہاں میں اسے پڑھتا ہوں کیونکہ میرے اندر کا بچہ الحمد للہ اب بھی بچوں کے مضامین اور رسائل پڑھتا ہے پھر اسے گھر لے جاتا ہوں جہاں پہلے میرے پوتے اور پھر میری نواسی اور نواسہ پڑھتے ہیں۔

سید معراج جامی، پوسٹ بکس نمبر 17667، کراچی 75300 (پاکستان)

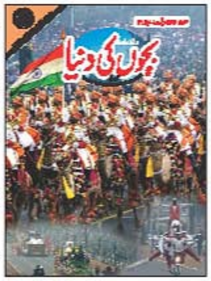

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' نظر نواز ہوا۔ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی کہ کتنا خوبصورت اور دیدہ زیب تصاویر سے آراستہ ہے بچوں کا یہ رسالہ۔ پھر جب اندرونی صفحات پر نظر پڑی تو مختلف موضوعات پر نہ صرف بچوں کی دلچسپی کی کہانیاں، نظمیں، کوئز، کہکشاں وغیرہ بلکہ بڑوں کے لیے بھی تاریخی، سائنسی، ادبی اور اہم شخصیات پر نہایت معلوماتی مضامین گویا اس میں ہر ایک کی دلچسپی کے سامان موجود ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں طلبا و طالبات اور گھروں تک پہنچے۔

عارف الدین شاہد، جعفر نگر، ناگپور، مہاراشٹر

ماہ دسمبر کا شمارہ بچوں کی دنیا پڑھا، بہت اچھا لگا۔ اس شمارے میں دیا گیا مضمون بڑھتی ہوئی آبادی کا دھماکہ جو کہ انصاری ثنا کوثر کے قلم سے ہے، مجھے اس مضمون پر اعتراض ہے کہ بچوں کو ایسی باتیں بتانا جو ان کے ایمان پر اثر کرتی ہوں، جیسے مستقبل میں اناج کی ایسی کمی واقع ہوگی کہ لوگوں کو کھانا خرید کر کھانے کو بھی نہ ملے گا، صرف امیر لوگ ہی خرید کر کھا سکیں گے سراسر غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے رزق کا ذمہ خود لے رکھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ ایسے مضامین سے احتیاط برتی جائے گی۔

غفران انصاری

عبدالودود انصاری

محمد قدرت خدا... ایک گمنام سائنس داں

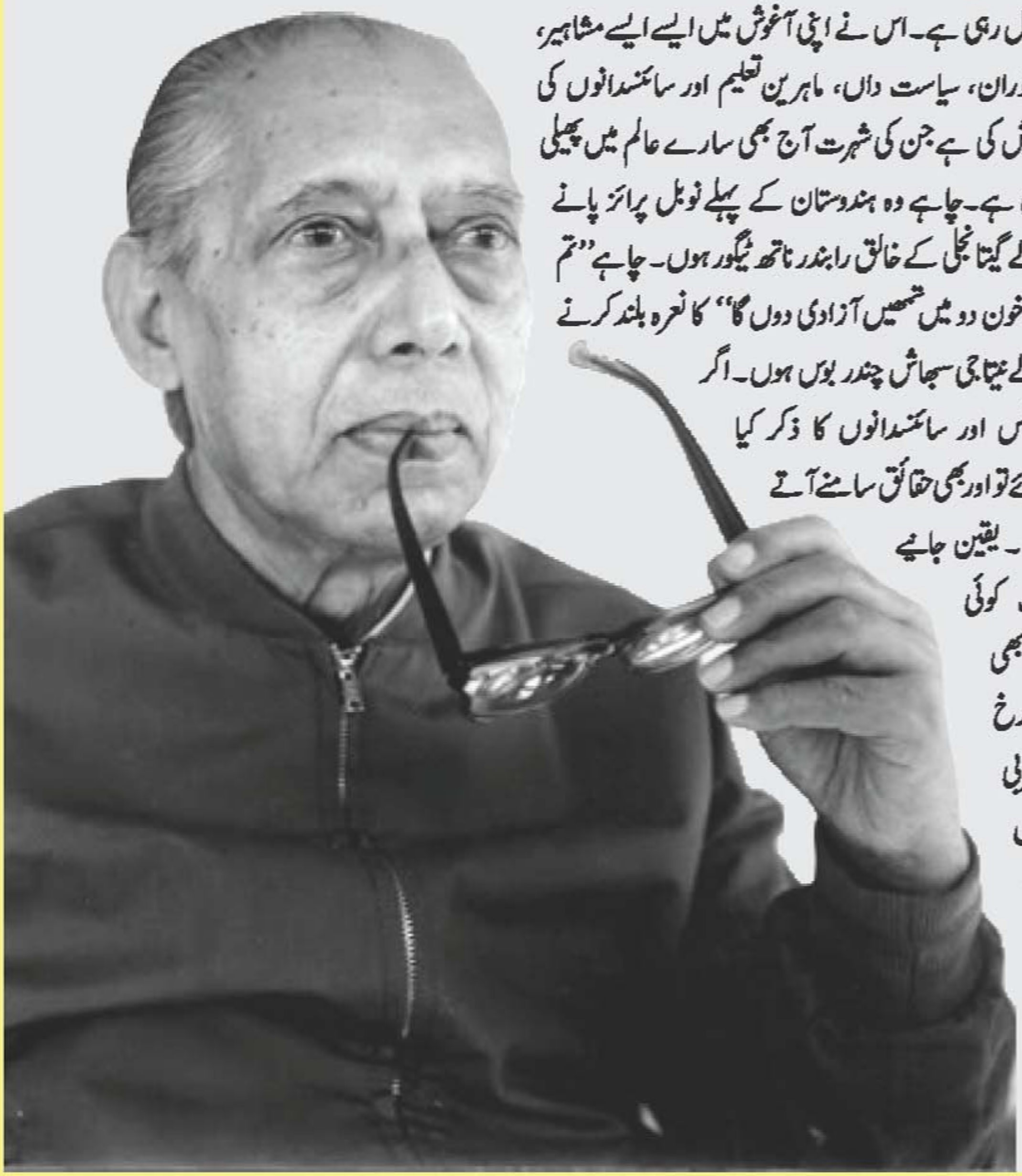

ہندوستان کی تاریخ میں سرزمین مغربی بنگال کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس نے اپنی آغوش میں ایسے ایسے مشاہیر، دانشوران، سیاست داں، ماہرین تعلیم اور سائنسدانوں کی پرورش کی ہے جن کی شہرت آج بھی سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ چاہے وہ ہندوستان کے پہلے نوبل پرائز پانے والے گیتانجلی کے خالق رابندر ناتھ ٹیگور ہوں۔ چاہے ''تم مجھے خون دو میں تمھیں آزادی دوں گا'' کا نعرہ بلند کرنے والے نیتاجی سبھاش چندر بوس ہوں۔ اگر سائنس اور سائنسدانوں کا ذکر کیا جائے تو اور بھی حقائق سامنے آتے ہیں۔ یقین جانیے جب کوئی بھی مورخ مغربی بنگال کے

سائنسدانوں کی تاریخ کے اوراق پلٹتا ہے تو اس کے سامنے سائنسدانوں کی ایک لمبی فہرست سامنے آتی ہے۔ مثلاً اچاریہ پرفلا چندر رائے (1861-1944)، جگدیش چندر بوس (1837-1853)، ششر کمار مترا (1890-1963)، میگھ ناتھ ساہا (1893-1956)، ستندر ناتھ بوس (1894-1947) کے علاوہ شری دیپندر موہن باسو، اپندر ناتھ برہمچاری اور شری گرندرا شیکھر باسو وغیرہ بنگال کے ایسے سائنسداں ہیں جنھوں نے سائنس کے مختلف شعبوں میں اپنے نقوش قدم چھوڑے ہیں اور آج بھی دنیا انھیں عزت واحترام سے یاد کرتی ہے۔

آج ہم ہندوستان کی سر زمین بنگال پر پیدا ہونے والے ایک ایسے مسلم سائنسداں کا تعارف پیش کرنے جارہے ہیں جس نے اپنی ایجادات اور دریافت سے ملک اور قوم کو بہت کچھ دیا ہے۔ یہ سائنسداں کوئی اور نہیں بلکہ محمد قدرت خدا ہیں جنھیں خدا نے اپنی قدرت سے بہت ساری خوبیوں سے مالا مال کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ انسان کے نام کی صفات بھی اس پر اثر انداز ہوتی ہیں ایسا ہی کچھ قدرت خدا کے ساتھ بھی ہوا۔ آپ ایک ایسے سائنسداں ہیں جنھیں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش تینوں ملکوں کو اپنی گراں قدر قابلیت سے فیض پہنچانے کا موقع میسر ہوا۔ آپ ایک نامور کیمیاں داں، ماہر تعلیم، سائنسی مصنف اور ماہر سیاست تھے۔

آپ کی پیدائش مغربی بنگال کے ضلع بیر بھوم کے ماڑ گرام گاؤں میں ماما کے گھر 10 مئی 1900ء کو ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید شاہ صوفی خند کار عبدالمقیت اور والدہ کا نام سیدہ فاصیحہ خاتون ہے۔ آپ کا گھرانہ صوفی اور پیرو مرشد کا تھا۔ لہٰذا آپ کی پیدائش کے بعد گھر والوں نے آپ کو حافظ بنانا چاہا لیکن آپ کے ماما نے آپ کے اندر بے پناہ پوشیدہ صلاحیت اور ذہانت کو دیکھ کر انگریزی اسکول میں پڑھانے کا مشورہ دیا اور آپ کا ماڑ گرام کے ایم۔ای۔اسکول میں داخلہ کرادیا گیا۔ آپ کی مادری زبان بنگلہ تھی۔ اسکول کی ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے کلکتہ مدرسہ (مدرسہ عالیہ) سے میٹرک فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ اس سال مغربی بنگال سے میٹرک پاس کرنے والے ٹاپ ٹین میں شامل تھے۔ 1924 کے سال میں آپ نے کلکتہ کے پریسیڈنسی کالج سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کے امتحان میں فرسٹ کلاس فرسٹ سے کامیاب ہوکر گولڈ میڈل حاصل کیا۔ یہ آپ کی بہت بڑی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو اپنے وقت کے مایہ ناز سائنس داں پرفلو چندر رائے کی شاگردی نصیب ہوئی۔ سال 1929 میں آپ نے انگلینڈ سے ڈی ایس سی (D.Sc) کی ڈگری حاصل کی۔ انگلینڈ میں تعلیم کے دوران آپ نے امپیریل کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سے ڈی۔آئی۔سی (D.I.C.) کی ڈگری بھی حاصل کی۔

ہندوستان واپس آکر پریسیڈنسی کالج میں سائنسی تحقیق کے لیے پریم چند رائے وظیفہ اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ آپ ہندوستان کے پہلے مسلمان طالب علم ہیں جن کو اس گولڈ میڈل سے سرفراز کیا گیا۔ 1931 میں آپ پریسیڈنسی کالج، کلکتہ میں کیمسٹری کے لکچرر کے عہدے کے لیے منتخب کیے گئے پھر اس کالج میں 1936 میں شعبۂ کیمسٹری کے صدر مدرس بنائے گئے۔ 1942 تا 1944 آپ اسلامیہ کالج (موجودہ مولانا آزاد کالج) کلکتہ میں پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد 1946 میں پریسیڈنسی کالج میں پرنسپل بنے۔ اس دوران

آپ کلکتہ یونیورسٹی کے سینیٹ کے ممبر اور فیلو رہے۔ تقسیم وطن کے وقت ان کے ساتھ کچھ ایسے ناخوشگوار واقعات بھی ہوئے کہ آپ 1947 میں ہندوستان سے مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) چلے گئے۔ مشرقی پاکستان میں آپ 1947 سے 1949 تک Director of Public Instruction سے منسلک رہے۔ اس کے بعد حکومت پاکستان کے شعبہ دفاع کے سائنسی مشیر مقرر ہوئے۔ آپ نے 1952 تا 1955 سکنڈری ایجوکیشن بورڈ کے چیرمین کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیے۔ بعد ازاں کراچی یونیورسٹی میں بطور فیکلٹی ممبر منتخب کیے گئے۔ 1955 میں آپ پاکستان کونسل فار سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ (Pakistan Council for Scientific and Industrial Research) یعنی PCSIR (موجودہ BCSIR) کے تحت East Regional Laboratories کے اول ڈائریکٹر بنے اور ڈھاکہ میں کئی لیباریٹریز (Laboratories) کا قیام کیا۔ 1966 میں ڈائریکٹرشپ کے عہدے سے سبک دوش ہوکر مرکزی بورڈ برائے فروغ بنگلہ (Kendriya Bangla Unnayan Board) کے چیرمین بنے۔ بنگلہ دیش کی آزادی کے بعد آپ 1972 میں National Education Commission کے چیرمین بنائے گئے۔ اس کمیشن کی رپورٹ 1974 میں شائع ہوئی جو قدرت خدا تعلیمی کمیشن رپورٹ (Qudrat-i-Khoda Education Commission Report) کے نام سے مشہور ہوئی۔ 1975 میں آپ ڈھاکہ یونیورسٹی میں بطور وزیٹنگ پروفیسر بنائے گئے اور وہاں آپ تا حیات درس و تدریس سے منسلک رہے۔

آپ کو کئی اعزازات اور انعامات سے نوازا گیا۔ 1976 میں آپ کو حکومت بنگلہ دیش نے ایکوشی پدک (Ekushey Padak) سے سرفراز کیا۔ آپ بنگلہ دیش میں ایشیاٹک سوسائٹی کے رکن بھی رہے۔ بنگلہ دیش اکاڈمی آف سائنس کے ممبر بھی منتخب کیے گئے۔ حکومت بنگلہ دیش نے آپ کے فوت ہونے کے بعد 1984 میں یوم آزادی پدک (Swadhinata Padak) سے نوازا۔ اس کے علاوہ آپ بیرون ملک کے کئی سائنسی اداروں کے رُکن بھی رہے۔

آپ سائنس کے شعبہ نامیاتی کیمیا (Organic Chemistry) کے ماہرین میں سے تھے۔ آپ نے زراعت کی دنیا میں اہم خدمات انجام دیں اور دنیا کو بتایا کہ زراعت کی ترقی سے ملک کو کس طرح خوش حال بنایا جاسکتا ہے۔ شمالی بنگال میں ایک طرح کی لمبی گھاس بہت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے اس گھاس سے خوشبودار تیل اور کاغذ تیار کیا۔ آپ نے جوٹ (پٹ سن) کے بیج سے تیل، چینی اور دل کی بیماری کے لیے دوا تیار کی۔ جوٹ کی لکڑی سے تختہ، کاغذ، برتن، پیالہ اور گلاس وغیرہ تیار کرنے کے طریقے بتائے۔ آپ نے جوٹ سے ریشم بھی تیار کیے۔ ناریل سے بہت ساری کارآمد چیزیں تیار کیں۔ سمندر کے پانی کو مختلف کاموں میں استعمال کے طریقے سے عوام کو آگاہ کیا۔ آپ نے جوٹ پر بہت ساری تحقیقیں کیں۔ کہا جاتا ہے کہ جوٹ سے منسلک آپ کی نو ایجادیں پیٹنٹ ہیں۔

آپ نے سائنس کی بہت ساری کتابیں بنگلہ میں تصنیف

کیں۔آپ کی تصانیف کردہ کتابیں اس طرح ہیں: ، سائنس کی دلچسپ کہانی(Bijgganer Saras Kahini)، سائنس کی انوکھی کہانی(Bigganer Vichitra Kahini)، سائنس کی ابتدا(Bigganer Suchana)، آرگینک کیمسٹری(چار جلدوں میںJaiba Rasayan)، ایٹم کا تعارف(Paramanu Parichiti) ، سائنس کی پہلی بات (Vijnaner Pahela Katha)

آپ نے 'آزادی کے بعد بنگال کی زراعت اور صنعت' نامی کتاب بنگلہ میں لکھی۔آپ کی سب سے مشہور کتاب' بگیانر بچتر کہانی' ہے جس کا ترجمہ ہندی، آسامی اور اردو زبان میں ہوا۔اس کتاب کا اردو ترجمہ 'سائنس کی انوکھی کہانی' کے نام سے ہوا تھا جس کو ستارہ ہند پریس کلکتہ نے 1942 میں شائع کیا تھا۔کہا جاتا ہے کہ مغربی بنگال میں سائنس کی اردو میں یہ پہلی کتاب تھی کیونکہ 1940 میں ہی کلکتہ یونیورسیٹی نے میٹریکولیشن کے امتحان میں طلبہ کو ان کی مادری زبان اردو میں جوابات لکھنے کی اجازت دی تھی۔ اسی لیے 'سائنس کی انوکھی کہانی' اس وقت کے اردو طالب علموں کے لیے ایک نعمت سے کم نہ تھی۔

قوم وملت کے مایہ ناز سائنسداں کا انتقال 8/نومبر 1977 کو ڈھاکہ میں ہوا۔

■

Abdul Wadood Ansari
Shadaab Manzil
House No:43/2, B.L.No.6
P.O.Kankinara-743126(Maharashtra)

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر............................ بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے 90092010045326 :A/C ،IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون:011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

شمس الاسلام فاروقی

وقت کی قدر کیجیے

اگر آپ اپنی زندگی سے پیار کرتے ہیں تو وقت سے پیار کرنا سیکھیے کیونکہ یہی وہ شے ہے جس سے آپ کی زندگی عبارت ہے۔ وقت پلک جھپکتے ہی گزر جاتا ہے۔ اکثر آپ خود کہتے ہیں کہ وقت کے تو پر لگ گئے۔ غور کیجیے تو آپ کو ایسا لگے گا جیسے وقت کا ایک بینک ہے جس میں ہر شخص کا ایک کھاتہ کھلا ہوا ہے۔ ہر صبح اس کھاتے میں 86400 سیکنڈس جمع کیے جاتے ہیں اور ہر شام اس کا حساب صفر ہو جاتا ہے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے دن کے لیے اس کے حساب میں کچھ بچا رہ جائے۔ وقت کے اس کھاتے میں سے جو کچھ بھی فضول کاموں پر خرچ ہوتا ہے، وہ بے کار جاتا ہے اور سمجھ لیجیے کہ ہمیشہ کے لیے خرچ ہو جاتا ہے اور کبھی بھی کھاتے میں واپس نہیں آتا۔ وقت کے اس بینک میں تو ہر صبح ایک نیا کھاتہ کھلتا ہے جو رات کو مکمل طور پر خالی ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اس کھاتے سے جو بھی خرچ کریں پوری سوجھ بوجھ اور عقل مندی کے ساتھ خرچ کریں تاکہ بدلے میں علم، کامیابی و کامرانی، خوشیاں، دولت اور شہرت جیسی اشیا حاصل کر سکیں۔

وقت کس قدر قیمتی ہے اس کا اندازہ بہت کم لوگ لگا پاتے ہیں۔ ایک سال کی قدر و قیمت جاننے کے لیے آپ کسی ایسے طالب علم سے پوچھیے جو اپنے امتحان میں ناکام ہو گیا ہو۔ ایک گھنٹے کی قدر اس ماں سے دریافت کیجیے جو اپنے بچے کا انتظار کر رہی ہو، جس شخص کی فلائٹ چھوٹ گئی ہو۔ وہی آپ کو بتا سکے گا کہ ایک منٹ کتنا قیمتی ہوتا ہے اور اسی طرح ایک کھلاڑی ایک سیکنڈ یا سیکنڈ کے ہزارویں حصے کی قدر و قیمت بتا پائے گا جس کی وجہ سے اس نے اپنا سونے کا تمغہ گنوا دیا ہو۔

اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ:

1۔ وقت کو بنایا نہیں جا سکتا۔
2۔ وقت کو خریدا بھی نہیں جا سکتا۔
3۔ وقت کو پلٹنا ناممکن ہے۔
4۔ ضائع کیا ہوا وقت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔
5۔ وقت کی تخلیق ممکن نہیں۔
6۔ مگر وقت ہر چیز کی تخلیق کر سکتا ہے۔

وقت کے صحیح استعمال کی خاطر ہمیشہ ایک کاغذ اپنے پاس

رکھیے جس پر پورے دن کے کام درج ہوں۔ انھیں اہمیت کے مطابق ترتیب وار ایک ڈائری میں نوٹ کر لیجیے کہ کون سا کام پہلے کرنا ہے اور کون سا اس کے بعد۔ اگر کوئی شخص آپ سے چند دن بعد یعنی پانچ دن، تین ہفتے یا پھر دو مہینے بعد ملاقات کا خواہاں ہے تو گھبرانے اور پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ آپ اسی طرح اس کی ملاقات کی تاریخ کو نوٹ کر لیجیے روزانہ شام میں ڈائری پر نظر ثانی ضرور کیجیے اور دیکھیے کہ آپ کن کاموں کو انجام دے چکے ہیں۔ نظر ثانی سے آپ اپنی کارکردگی کو بہتر کر پائیں گے اور ساتھ ہی وقت کا استعمال بھی ٹھیک طرح ہوگا۔

اپنے وقت کو تخلیقی، علمی اور ادبی کاموں میں استعمال کرنا سیکھیے۔ دیکھا جائے تو ایک عام شخص دن بھر میں کم از کم ایک گھنٹہ اپنی گم شدہ اشیا ڈھونڈنے میں صرف کر دیتا ہے۔ اہم چیزوں کو رکھنے کے لیے مناسب جگہ کا تعین کیجیے تاکہ انھیں صرف وہیں سے اٹھا سکیں۔ بعض لوگ اندھیرے میں بھی اپنی اہم اشیا بہ آسانی تلاش کر لیتے ہیں۔ قلم، لکھنے پڑھنے کے کاغذات، چابیاں، چشمہ، جوتے، چھتری، پورٹ فولیو اور روز کی ڈاک وغیرہ ہمیشہ متعین جگہ پر ہی رکھیے تاکہ ان کے حصول میں وقت ضائع نہ کرنا پڑے۔ اگر آپ اپنے کاموں میں نظم اور ترتیب قائم رکھ پائے تو یقین جانیے آپ نہ صرف اپنے کام بہت کم وقت میں مکمل کر سکیں گے بلکہ تخلیقی کاموں کے لیے بھی آپ کے پاس وقت بچے گا۔

اپنے روزمرہ کے کاموں کے دوران ہر قسم کے انتشار سے خود کو محفوظ کیجیے۔ عام تجربہ یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ اپنا ای۔ میل آتے ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہ لوگ اپنا کام بند کر کے ہر ای۔ میل کے لیے کم از کم دو منٹ تو ضرور ہی گنوا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر وقت مقرر کر کے ہی اپنا ای۔ میل چیک کریں تو خاصا وقت بچا سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کو کسی کام کے لیے 'نہیں' کا لفظ استعمال کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ محض تکلف کی بنا پر ہر کام کرنے کے لیے 'ہاں' کہہ دیتے ہیں جبکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کام ان کے لیے آسان نہیں ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اُسے کر ہی نہ پائیں مگر چونکہ ہاں کہہ چکے ہیں اس لیے اس کام کی تکمیل پر زیادہ سے زیادہ وقت بھی صرف کریں گے۔ خواہ آخر میں انھیں ناکامی ہی کا منہ کیوں نہ دیکھنا پڑے۔ اس لیے آپ کسی کام کے لیے صرف اسی صورت میں ہاں کہیے جسے کرنے کی آپ پوری قدرت رکھتے ہوں۔ اگر وقت نہ ہو تو آپ صاف منع کردیں۔

تمام اہم کاموں کو ہمیشہ اوّل وقت ہی میں انجام دیں جب آپ تازہ دم ہوں۔ دوسری صورت میں اگر آپ انھیں تھکنے کے بعد شروع کریں گے تو پریشانی کے باوجود ان کی اہمیت کے پیش نظر آپ ان پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنے کی کوشش کریں گے اور عین ممکن ہے کہ تھکاوٹ کی وجہ سے آپ انھیں بہتر ڈھنگ سے نہ کر پائیں۔

زندگی میں ہمیشہ کامیاب لوگوں کی مثالیں سامنے رکھیے اور ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجیے۔ ہر ہفتے کا ایک تفصیلی پلان تیار کیجیے اور ہر روز اہمیت کے پیش نظر اس میں تبدیلی کیجیے۔ آپ ایسا کر پائے تو یقین کیجیے کہ آپ خود کو صحت، دولت، خوشی اور فارغ البالی سے ہمکنار کر پائیں گے۔ وقت میں نظم اور ترتیب قائم کرکے آپ کھانے، سونے، ورزش کرنے، سماجی فرائض کی ادائیگی یہاں تک کہ تفریح طبع کے لیے بھی مناسب وقت بچا سکیں گے۔

ہمیشہ یاد رکھیے کہ آپ کھوئی ہوئی دولت کو محنت اور تجارت سے دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں، وہ علم جسے بھول گئے ہوں وہ مطالعے سے دوبارہ بحال ہوجاتا ہے اور اسی طرح کھوئی ہوئی صحت بھی علاج معالجے اور دواؤں سے دوبارہ مل جاتی ہے لیکن وقت اگر ایک بار آپ کے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر دوبارہ پلٹ کر کبھی نہیں آتا۔ نپولین سے ایک بار کسی نے پوچھا کہ کامیابی کا کیا راز ہے تو اس نے جواب دیا صرف ''پندرہ منٹ'' سوال پوچھنے والے کی حیرت دور کرنے کے لیے اس نے بتایا کہ جو شخص ہر شام اپنے وقت کا تجزیہ کرکے یہ معلوم کرلے کہ اس نے کتنا وقت کارآمد اور کتنا وقت بیکار کاموں میں خرچ کیا اور پھر دوسرے دن اس کی روشنی میں اپنی اصلاح کرے تو وہ ضرور کامیاب ہوگا۔

خود کو جھنجھوڑنے کی غرض سے ضروری ہے کہ آپ کبھی کبھی ایک متوسط آدمی کی زندگی پر غور کریں۔ اس کی کام والی زندگی صرف 60 سال ہوتی ہے جس کے بعد وہ ملازمت سے ریٹائرڈ ہوجاتا ہے۔ ان 60 سالوں میں سے 25 برس اس نے تعلیم حاصل کرنے پر لگائے، باقی 35 برسوں میں سے 8 گھنٹے روزانہ کے حساب سے سونے میں گزار دیے اور 6 گھنٹے فی یوم سے 9 برس نہانے، کھانا کھانے، دفتر کی تیاری اور وہاں آنے جانے میں اور لوگوں سے ملنے جلنے میں صرف ہوگئے۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو کام کرنے کے لیے اسے 60 سال کی زندگی میں سے صرف 13 برس ہی ہاتھ لگے۔ سوچیے اب اگر ان تیرہ برسوں میں سے بھی کچھ وقت فالتو اور بیکار کے کاموں میں برباد کردیا جائے تو پھر کامیابی کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

■

Shamsul Islam Farooqui
90-B, Ahata Talib
Noor Nagar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

عطاء الرحمن طارق

بسنت بہار

پتے نئے، خوشبو نئی
اس رنگ کے جلوے کئی
سنگیت سُر، بولی مدھر
سورج بھلا، سونا ڈھلا
تتلی ہنسی، غازہ مَلا
دھانی سنہری، چمپئی
پتے نئے، خوشبو نئی
چشمہ وہاں بہنے لگا
"آ تو بھی آ" کہنے لگا،
دن آ گئے، لہرا گئے
سنسار سے، اُپہار سے
بگیا ہماری سج گئی
پتے نئے، خوشبو نئی

■

Ataur Rahman Tariq
701/3A, Vijaya co-op Hsg. Society
Vaishali Nagar, K.K. road
Mahalaxmi, Mumbai - 400011 (Maharashtra)

مختار ٹونکی

پند سود مند

1	ڈریے	خدا کی ذات سے
	بچیے	بری ہر بات سے
2	لڑیے	ہمیشہ ظلم سے
	رہیے	الگ ہر جرم سے
3	رکھیے	نہ دل میں دشمنی
	کیجیے	سبھی سے دوستی
4	کہیے	وہی جو دل کہے
	سنیے	وہی جو خوش لگے
5	بڑھیے	بڑھت کی چاہ میں
	رکیے	نہ تھک کر راہ میں
6	کریے	جو خاطر خواہ ہو
	چلیے	جو سیدھی راہ ہو
7	ملیے	خلوص و پیار سے
	بنیے	بشر کردار سے
8	اٹھیے	کمر کو باندھ کر
	مٹیے	وطن کی شان پر
9	پڑھیے	یہ باتیں بار بار
	لکھیے	یہ باتیں بار بار

■

Mukhtar tonki
Kali Paltan Road , Pul Mohd Khan
Tonk (Rajasthan)

سید بشیر احمد بشیر سولاپوری

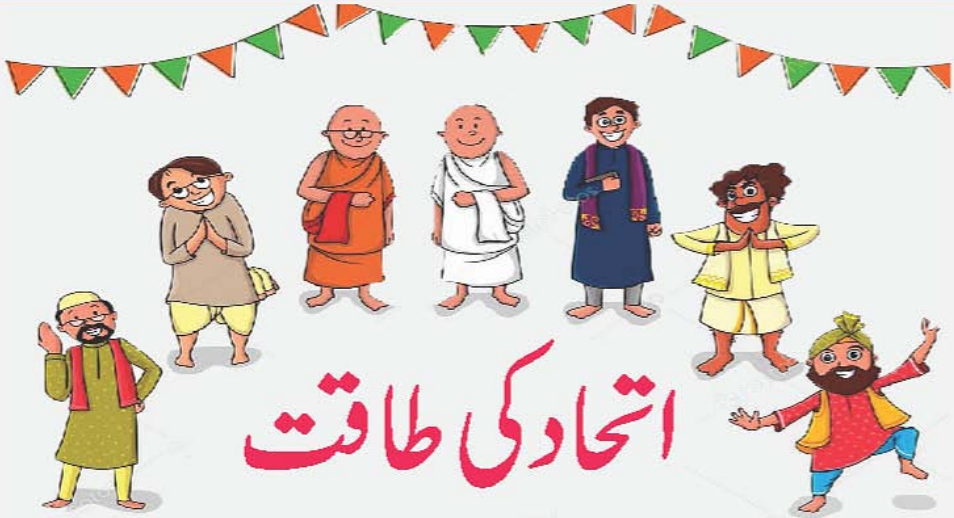

اتحاد کی طاقت

بہت ہوچکا اب ہمارا تمھارا
بنے اِک نیا آشیانہ ہمارا

چلو اک دیا ایکتا کا جلائیں
کہ روشن رہے گھر ہمیشہ ہمارا

سبھی قسم کے پھول ہوں گے چمن میں
رہے گا یہ گلشن مہکتا ہمارا

نہ آئیں گے بہکاوے میں ہم کسی کے
نہیں آپسی ہوگا جھگڑا ہمارا

چلو ایکتا کی دکھائیں گے طاقت
رہے نام دنیا میں روشن ہمارا

کسی دھرم کا ہو کسی ذات کا ہو
ہمیشہ چلے بھائی چارہ ہمارا

جہاں میل ہے کامیابی وہاں ہے
ادھورا رہے گا نہ سپنا ہمارا

ہمیں سوچ اپنی بدلنی پڑے گی
ہر اک دیش باسی ہے اپنا ہمارا

دلوں کی صفائی بہت ہے ضروری
کہ دل ہو ہمیشہ چمکتا ہمارا

■

Syed Bashir Ahmed Bashir
Block No:5, Jai Hind Nagar
Bijapur Road
Solapur - 413004 (Maharashtra)

نیہا سلیم

راجہ بائی ٹاور

(ممبئی کا نشانِ امتیاز)

1950 سے 1970 کے درمیان 'بمل رائے' نامی ایک مشہور فلمساز گزرے ہیں جن کی تمام فلموں کا اوپننگ شاٹ راجہ بائی ٹاور سے شروع ہوتا تھا۔ اب سے چند برسوں پہلے ممبئی کا نام Bombay ہوا کرتا تھا۔ فلورا فاؤنٹن اور ممبئی یونیورسٹی کے قریب راجہ بائی ٹاور شہر کا بلند ترین کلاک ٹاور ہے۔ اس کا گجر ہر 15 منٹ پر شدت کی آواز کے ساتھ بجتا تھا اور ممبئی کے اطراف واکناف میں کافی دور دور تک سنائی دیتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا گجر 34 مختلف دُھنوں میں بجتا تھا۔

تزئین کاری: برندا سمیہ نامی آرکیٹیکٹ کی سربراہی میں اس عمارت کی تزئین کاری کا کام جون 2013 سے

مئی 2015 کے درمیان پورا کیا گیا تھا۔ کلاک ٹاور کی بلندی 280 فٹ ہے۔ اتنی بلندی تک مختلف اوزار بلڈنگ میٹریل اور دیگر اشیاء کو لے جانا اور واپس لانا اتنے پاش علاقے میں مشکل کام تھا۔ سمیہ نے مختلف زمروں کے کاریگروں کی 100 افراد کی ایک جفاکش ٹیم تیار کی تھی اور زمین سے 196 فٹ کی بلندی پر ایک ورکشاپ بنایا گیا تھا تاکہ انجینئروں اور مزدوروں کو کم محنت میں زیادہ کام کرنے پر راضی کیا جاسکے۔ دی گئی مدت میں لگنے والے اوزار اور مصنوعات کا قابل قدر ذخیرہ اس ورک شاپ میں کیا گیا تھا۔ کاریگروں کا کچن اور آرام کا کمرہ بھی بنا دیا گیا تھا۔

راجہ بائی ٹاور کی خصوصیات: (الف) راجہ بائی ٹاور کی تعمیر کے لیے مشہور صنعت کار پریم چند رائے چند نے تین لاکھ کی خطیر رقم بطور عطیہ دی تھی۔ پریم چند نے عطیہ دینے کے ساتھ یہ شرط بھی رکھی تھی کہ کلاک ٹاور کا نام ان کی اندھی والدہ کے نام پر ہوگا۔ چنانچہ تعمیری کمیٹی نے اس عمارت کا نام راجہ بائی ٹاور رکھا تھا (ب) اس کلاک ٹاور کی تعمیر کا زمانہ 1874 ہے۔ اس کے انجینئر کا نام سر جارج گلبرٹ تھا۔ آپ نے اس عمارت کے Blut Print سے لے کر تعمیر تک پوری تندہی اور دیانت داری سے کام کیا اور آپ کو یہ جان کر اور بھی تعجب ہوگا کہ اس وقفے کے دوران وہ ایک بار بھی بھارت (ممبئی) نہیں آیا تھا۔ (ج) جارج گلبرٹ جتنا قابل تھا اس قدر قابل اور بھروسے مند اس کا اسٹاف تھا۔ جارج گلبرٹ نے کانٹریکٹر رام ساوانی کو اس عمارت کی ذمے داری سونپی تھی۔ ساوانی صاحب کے متعلق ایک عام رائے یہ تھی کہ وہ اپنے باپ کے لیے اتنا پرعزم اور بااعتماد نہیں تھا جتنا کہ جارج گلبرٹ کے لیے (د) راجابائی ٹاور کی تعمیر گوتھک فن تعمیر کا بے مثال نمونہ ہے۔ اس کی خوبصورت کھڑکی اور دروازے منقش اور رنگین بلوری شیشوں سے مزین ہیں۔ اس کے Campus میں ایک بے مثال لائبریری ہے جس کی راہداری خوبصورت محرابوں سے مزین ہے۔

ٹائلز کا مسئلہ: تزئین کاری میں ساوانی صاحب اور سمیہ آرکی ٹیکٹ کے سامنے اندازاً ڈیڑھ صدی پرانی تعمیر میں لگے Minton ٹائلز کے Replacement کا تھا۔ انھوں نے ملک کے مختلف شہروں میں اپنی ٹیم روانہ کی تاکہ وہ کسی

عمارت کے ملبے سے ...... یا اسی سے ملتے جلتے ٹائلز ممبئی لائیں۔ تلاش کامیاب رہی اور بوسیدہ ٹائلز کی جگہ اس سے بہتر حالت کے ٹائلز لگا دیے گئے۔

شاردا دویدی صاحبہ: اُس زمانے میں سماجی کارکن کے طور پر محترمہ شاردا دویدی صاحبہ کا عوام میں کافی رعب اور دبدبہ ان کی اصلاحات اور خدمتِ خلق کے تعلق سے تھا۔ ان کے کانوں تک کلاک ٹاور کے گجر کی آواز کی شدت سے متعلق بہت ساری شکایات موصول ہوئیں۔ یہ آپ ہی کا خاصہ تھا کہ آپ نے ان مشکلات کو سنا اور بعض میمورنڈم بھی کلاک ٹاور کی انتظامیہ کو دیے گئے۔ یہ آپ ہی کے اخلاقی، سیاسی اور تعلیمی دباؤ کا اثر تھا کہ انتظامیہ نے اس ضمن میں لندن کی بگ بین (لندن کا مشہور کلاک ٹاور) انتظامیہ سے رابطہ کیا۔ ان کے مشوروں پر راجہ بائی ٹاور کے صوتی حصے کو خاص قسم کے کینواس سے ڈھک دیا گیا۔ لندن میں دریائے ٹیمز کے کنارے Bigben نامی کلاک ٹاور اور دیگر تفریح گاہوں کو دیکھنے اور سیر کرنے کے لیے ہر سال لاکھوں سیاح انگلینڈ کا رخ کرتے ہیں۔

صاف صفائی کا عملہ: تعمیر مکمل ہوجانے کے بعد کلاک ٹاور کی انتظامیہ نے Bigben کے بعض ورکرز (Workers) کو چھ ماہ تک ہندوستان میں مقیم رکھا۔ ان کے اخراجات محض اس لیے برداشت کیے گئے کہ وہ راجہ بائی کلاک ٹاور کی مختلف اوقات میں صفائی اور کلاک کی مشینری میں کسی بھی تکنیکی خرابی کو دور کرنے کے لیے ہندوستانیوں کو تیار کرسکیں۔

لندن کی انتظامیہ نے ایک ایسا گروپ تیار کر بھی دیا تھا۔

آج بھی یہ کلاک ٹاور لاکھوں سیاحوں اور عام انسانوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

■

Neha Saleem
Ghar No: 18, Maharashtra
Housing Board Colony
Malegaon - 423203 (Maharashtra)

جوابات

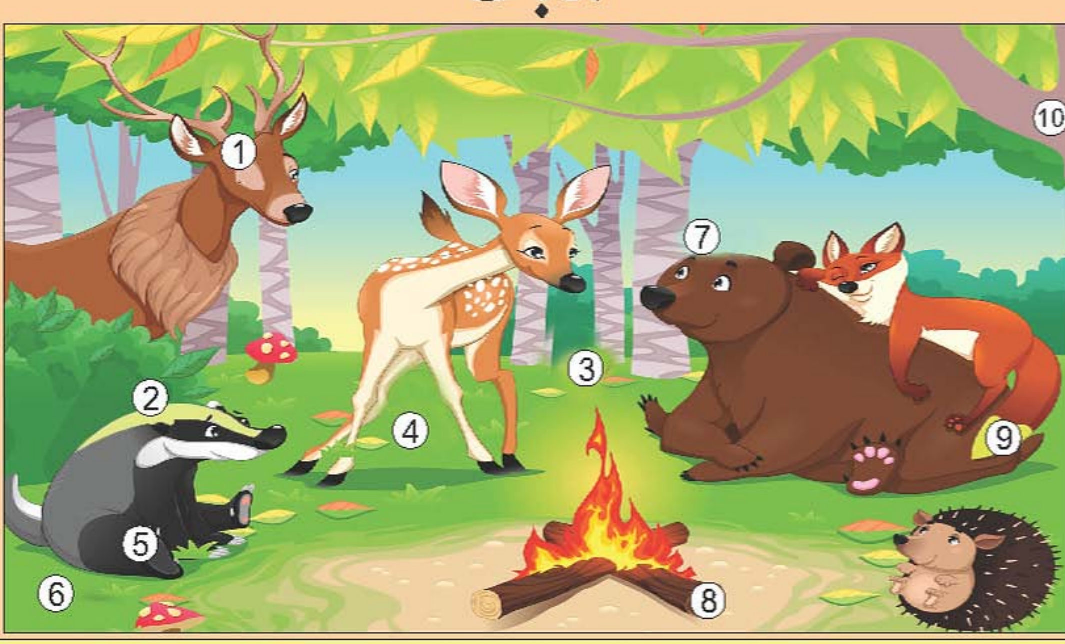

رفیق گلاب

سحر خیزی

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر

پہلی ٹرم کے امتحانات کے بعد دیوالی کی تعطیلات شروع ہوجاتی ہیں۔ بائیس دنوں کا یہ وقفہ پرسکون لمحات کے ساتھ ذہن و دل کے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ ایس ایس سی، ایچ ایس سی، ڈپلومہ اور ڈگری کے آخری سال کے طلبہ اس وقفہ سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرسکتے ہیں۔ ان طلبہ کو چاہیے کہ وہ تعطیلات میں پڑھائی کا علیحدہ ٹائم ٹیبل بنا کر وقت کو اچھی طرح کام میں لائیں۔ تعطیلات کے طویل وقفہ کے قیمتی لمحات کو کام میں لاکر طلبہ اپنا فیصد بڑھا سکتے ہیں۔ بہت سے طلبہ کے کیریئر میں تعطیلات کی منصوبہ بند پڑھائی ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوتی ہے۔ تعطیلات میں کی جانے والی اسٹڈی کے باعث طلبہ کی خوداعتمادی میں زبردست اضافہ ہوتا ہے۔ اسی خوداعتمادی کے ساتھ طلبہ اپنی منزل مقصود کی جانب تیزی سے بڑھنے لگتے ہیں۔ تعطیلات میں طالب علم کو اپنی خامیاں دور کرنے کا بھرپور موقعہ ملتا ہے۔

تعطیلات میں طلبہ عام طور پر دیر تک سونے کی عادت اپنا لیتے ہیں۔ ذہنی اور جسمانی تھکان دور کرنے کے لیے نیند بے حد ضروری ہے۔ آپ آرام ضرور کریں، بھرپور نیند لیں لیکن آرام اور نیند اتنی نہ ہو کہ آپ غفلت کا شکار ہوجائیں۔ انگریزی کا یہ مقولہ ذہن نشین کرلیں:

Early to bed, early to rise
Makes you healthy, wealthy and wise

رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی بیدار ہونا
آپ کو صحت مند، عقلمند اور دولت مند بنا دیتا ہے

صحت مند، عقلمند اور دولت مند ہونا یقینی طور پر کامیابی کی دلیل ہے۔ یہ تینوں نعمتیں محض ایک چھوٹی سی عادت یعنی رات کو جلدی سونے اور صبح کو جلدی بیدار ہونے کی عادت اپنا کر

کرشن گوتم

2019

یہ ہر سُو ہے چرچا نئے سال کا

یہ ہر سُو ہے چرچا نئے سال کا — کہ طرفہ ہے رتبہ نئے سال کا
جواں سال انیسواں ہے کہ یہ — عجب ہے یہ تحفہ نئے سال کا
تو رازق ہے مولا تو رب کریم — کرم کا ہو وعدہ نئے سال کا
صدی میں سبھی کے لیے اے خدا — یہ وقفہ ہو عمدہ نئے سال کا
محبت، اخوت، سلامت روی — بنے یہ رویہ نئے سال کا
ہو امن و اماں ہر جگہ ہر طرف — یہی ہو فریضہ نئے سال کا
سبھی عقل والے نہیں ہوشیار — نہ چھوٹے شگوفہ نئے سال کا
سیاست غریبوں کی باندی بنے — ہو طرفہ طریقہ نئے سال کا
اگر خوف ہو تو ہو قانون کا — ملے یہ عطیہ نئے سال کا
جو جمہوریت میں ہیں آزادیاں — بنیں وہ سلیقہ نئے سال کا
مبارک نہیں ہیں حقوق آپ کے — بنیں گر تماشا نئے سال کا
لگن گر ہو سچی تو بگڑی بنے — نہیں کم یہ عرصہ نئے سال کا

دعا گو ہے گوتم سبھی خوش رہیں
یہ سب کو ہو تحفہ نئے سال کا

■

Krishan Gautam
3251, Sector 44-D
Chandigarh - 160047

انصار احمد معروفی

پیدائش امیر خسرو
یوم اردو

پھل پھولتی ہے اردو، اکیسویں صدی میں
گھر گھر ہے اس کی خوشبو، اکیسویں صدی میں
دل اس کو سن کے جھومے، کانوں میں رس یہ گھولے
ہے جل ترنگ گھنگرو، اکیسویں صدی میں
ہوں مشکلات پھر بھی، یہ چوکڑی بھرے گی
مثلِ زقندِ آہو، اکیسویں صدی میں
الفاظ ہر زباں کے، دامن میں اپنے کھینچے
ایسی زبانِ خسرو، اکیسویں صدی میں
خسرو کا برتھ ڈے ہے، بھارت میں ہر جگہ پہ
برپا ہے یومِ اردو، اکیسویں صدی میں
خسرو سے لے کے اب تک، سب نے سنوارے بے شک
اردو کے مست گیسو، اکیسویں صدی میں
مقبولیت پہ اس کی، حیرت زدہ ہیں سب ہی
اردو کا ایسا جادو، اکیسویں صدی میں

■

Ansar Ahmad Balua
Kurthi Jafarpur
Mau - 275305 (UP)

صبا منیر

کیونکہ... میں تھی اک لڑکی؟

بتاؤ نا امی مجھے کیوں تھا مارا؟
میں ننھی سی گڑیا تھی کیوں بے سہارا؟
میں جو آج ہوتی تو رونق سی ہوتی
کھلونے لیے میں خوشی سے چہکتی
میں ضد کرتی ابو سے ان سے میں کہتی
مجھے لے چلو سنگ، ہنستی میں روتی...
میں تتلی پکڑتی میں باغوں میں جاتی
تمھیں میں ستاتی تمھیں میں مناتی
میں پڑھتی، میں لکھتی، میں اور آگے بڑھتی
میں ہوں ایک لڑکی زمانے سے کہتی...
بتاؤ نا امی! میری کیا تھی غلطی؟
سزا دی مجھے 'کیونکہ تھی ایک لڑکی؟'
میں آنچل میں کس کے رہوں گی اب امی؟
میں انگلی پکڑ کر چلوں کس کی امی؟؟؟
مجھے پاس اپنے بلاؤ نا امی
سمیٹو مجھے اپنے دامن میں امی . . .
میں ناراض تم سے رہوں کیسے امی؟
ہو ممتا کی مورت تمھیں میری امی
چلو الوداع اے مری پیاری امی
میں خوش ہوں یہاں پر ہوں آباد امی

■

Saba Muneer
Maulana Azad College
Aurangabad - 431001

متین اچل پوری

بھینس کی جیت

نفیس..... بیٹے نفیس......... کہاں ہو تم؟

میں یہاں ہوں ممی..... ڈرائنگ روم میں..... نفیس نے وہیں سے آواز لگائی۔

بیٹے ذرا ادھر تو آنا..... ممی نے کچن سے نفیس کو آواز دی

جی ممی! نفیس نے کچن میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

ڈرائنگ روم میں کیا کر رہے تھے تم؟

ممی! میں نے ڈیڈی کے بک شیلف سے دھول صاف کی اور پھر بکھری ہوئی کتابوں کو ترتیب سے رکھ رہا تھا۔

شاباش بیٹے..... جیسا تمھارا نام ہے، ویسا تمھارا کام ہے۔ تمھاری یہ صفائی ستھرائی، یہ سلیقہ مندی مجھے بہت پسند ہے۔

ممی کی زبانی اپنی تعریف سن کر نفیس میاں پھولے نہیں سما رہے تھے۔

بیٹے نفیس! ذرا رحمت چاچا کے گھر سے دودھ تو لے آنا۔

ممی دودھ لانے کے لیے رئیس بھیا سے کہیے نا۔

بیٹا! روزانہ تو رئیس ہی لاتے ہیں دودھ..... رات سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آج ذرا تم ہی لے آؤ دودھ۔

نفیس میاں کے لیے ممی کا کہنا ٹالنا بھی مشکل تھا اور رحمت چاچا کے گھر جا کر دودھ لانا بھی ایک مسئلہ تھا۔

رحمت چاچا کا مٹی کا مکان تو انھیں بہت اچھا لگتا تھا۔ مٹی کی آٹھ آٹھ فٹ اونچی دیواریں۔ دیواروں پر اینٹوں سے بنی خوشنما منڈیریں۔ منڈیروں پر چڑھائی گئیں تُرئی کی بیلیں۔ بیلوں میں کھلے ہوئے زرد زرد خوشنما پھول اور ان زرد زرد پھولوں کے درمیان کہیں لٹکتی ہوئی ہری ہری تُرئی۔ نفیس کا دل تتلی بن کر ان پھولوں پر منڈلانا چاہتا تھا۔

لیکن رحمت چاچا کے مکان کے سامنے بندھی بھینس انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ انھیں اس بدنما جانور سے ڈر لگتا تھا۔ بھاری بھرکم گینڈے کے سر جیسا ڈراونا سر، کالی کلوٹی

بدڈول چٹان جیسا دھڑ جس کے سرے پر ناگن جیسی لمبی دم۔ یہ ناگن کبھی دائیں کو لہرا جاتی ہے کبھی بائیں کو۔

اور پھر کسی جن بھوت کی طرح نگل جانے والی آنکھیں۔

اس بھینس کی ڈرانے والی آنکھیں دیکھ کر نفیس کو ایسا لگتا جیسے آنکھوں کی جگہ دو بڑے بڑے انگارے رکھے ہوں۔ وہ سوچتا لمبی تلوار جیسے دو دو سینگ رکھنے والا یہ بھاری بھرکم جانور کہیں اسے روند نہ ڈالے۔

نفیس میاں رحمت چاچا کے گھر کے سامنے بندھی بھینس سے بچتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور اس بدنما جانور کو دور ہی سے سلام کرتے ہوئے دودھ لے آئے۔

اس دن کلاس ٹیچر نے کچھ زیادہ ہی ہوم ورک دے رکھا تھا اس لیے نفیس میاں نے جلدی سے کھانا کھا کر ہوم ورک پورا کیا اور معمول کے مطابق رات دس بجے سے پہلے بستر میں گھس گئے۔

ٹرن... ٹرن

ٹرن..... ٹرن

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ نفیس میاں نے دوڑ کر فون اٹھایا۔

کون؟؟ انھوں نے ہمیشہ کی طرح بڑی نرم آواز میں پوچھا۔

میں ہوں بفیلو!

کلاس فیلو؟۔۔کون کلاس فیلو!! نفیس میاں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

بھک بھک بھک بھک... اُس طرف سے بڑی بھونڈی آواز میں قہقہہ لگانے کی آواز آئی۔

ارے یار، کون کلاس فیلو..... مجھے معلوم تو ہو۔

میں ہوں بفیلو... بفیلو تمہاری پڑوسن۔

ب..... فے..... لو..... نفیس میاں نے ٹھنڈی سانس

بھرتے ہوئے کہا۔ان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔
انھوں نے بے حد جھنجھلا کر کہا رانگ نمبر!!!
وہ فون کا رسیور پٹکنا ہی چاہتے تھے کہ ادھر سے آواز آئی۔
اے مسٹر..... رانگ نمبر نہیں..... مجھے تم سے ہی بات کرنی ہے،ہاں !تم سے!!
کیا مطلب؟..... مجھ سے؟؟.... مجھ سے کیا بات کرنی ہے تمھیں!!
آواز:میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم جب بھی ملتے ہو تو مجھے دیکھ کر ناک بھوں کیوں چڑھاتے ہو۔
نفیس میاں بھینس کی شکایت سن کر حیران رہ گئے۔وہ منہ سے کچھ بول نہ پائے۔
آواز: خدا نے آپ کو انسان بنایا۔عقل دی اچھے برے کی تمیز دی۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیوں ناپسند کرتے ہو۔
نفیس میاں کے لبوں کی خاموشی اب بھی نہ ٹوٹی۔
آواز: مانا کہ میں شکل وصورت سے بدنما ہوں۔کالی کلوٹی ہوں۔مگر مجھ سے جو فائدے انسان اٹھاتا ہے۔ذرا ان پر بھی تو غور کرو.... (تھوڑا رک کر) سن رہے ہو نا!
نفیس:ہاں!.....وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بول پائے۔
آواز: مانا کہ میں کالی بدنما چٹان کی صورت ہوں مگر اس چٹان سے دودھ کا جو چشمہ پھوٹتا ہے... ذرا اس دودھ کے فائدوں پر غور کرو۔کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟ دودھ، دہی، ملائی، مکھن، چھاچھ۔یہ ساری مفید چیزیں تو میری وجہ سے ہیں۔اگر میں نہ ہوتی یہ سب چیزیں اتنی مقدار میں انسان کو کیسے حاصل ہوتیں۔
نفیس میاں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔وہ کچھ بول نہیں پارہے تھے۔
آواز: طالب علم بھی،استاد بھی،مرد وخواتین،بچے بالے۔عالم فاضل،کسان مزدور سب کے سب میرا دودھ استعمال کرتے ہیں اور دودھ سے بنی چیزیں بھی۔
اور پھر تمھارے ابو جو مٹھائیاں لاتے ہیں وہ سب میرے دودھ ہی سے تو بنتی ہیں۔کیا تم یہ مٹھائیاں مزے لے کر نہیں کھاتے؟
نفیس میاں نے فون کا رسیور پکڑے ہوئے ہاں میں سر ہلایا۔
آواز:اور پھر جس خدا نے تم کو انسان کی شکل دی اُسی خدا نے مجھے یہ بھینس کی شکل دی ہے۔اگر مجھے انسان کی شکل مل جاتی اور تمھیں بھینس کی تو اس صورت میں تم کیا کرتے؟
نفیس میاں ہکلاتے ہوئے بولے......یعنی مجھے؟؟
بھینس کا یہ سوال سن کر نفیس میاں گھبرا گئے۔گھبراہٹ میں ان کے ہاتھ سے رسیور چھوٹ گیا۔فرش پر گرے۔رسیور کی آواز کے ساتھ ہی نفیس میاں کی آنکھ کھل گئی۔وہ بستر پر لیٹے لیٹے بڑی بڑی آنکھوں سے اپنے چاروں طرف دیکھنے لگے۔
اس خواب نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔
کچھ دیر بعد امی جان نے دودھ منگوانے کے لیے ریک پر نظر ڈالی تو وہاں سے وہ برتن ہی غائب تھا جس میں دودھ لایا جاتا ہے۔وہ کچن میں اِدھر اُدھر برتن تلاش کرنے لگیں۔انھیں کیا خبر کہ آج نفیس میاں معمول کے خلاف شوق سے لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے دودھ لانے کے لیے کب کے روانہ ہو چکے ہیں۔

■

Mateen Achalpuri
Opp. Masjid, Akbari Chowk
Biyabani, Achalpur - 444806
Distt: Amravati (MS)

اشتیاق سعید

نیا دوست

راجن، فرحان، جوزف اور کلبیر چاروں بچے آپس میں گہرے دوست تھے۔ چاروں کی عمریں آٹھ سے دس سال کے درمیان تھیں۔ چاروں ایک ہی بلڈنگ میں رہتے تھے اور ایک ہی اسکول میں پڑھتے بھی تھے، بس جماعتیں الگ الگ تھیں۔ چاروں بچے اسکول سے آنے کے بعد پاس کے میدان میں کھیلنے چلے جایا کرتے تھے۔ کبھی کرکٹ کھیلتے تو کبھی بیڈمنٹن یا والی بال!

ایک روز چاروں دوست میدان میں بیڈمنٹن کھیل رہے تھے کہ اچانک فرحان کی نگاہ کچھ فاصلے پر کھڑے ایک بچے پر پڑی جو اپنے حلیے اور لباس سے انتہائی غریب معلوم ہو رہا تھا مگر انھیں کھیلتے ہوئے دیکھ کر بے حد خوش ہو رہا تھا۔ اِن میں سے کوئی جب اچھا شاٹ لگاتا تو وہ خوشی سے تالیاں بھی بجانے لگتا اور رہ رہ کر اپنے داہنے ہاتھ کو ریکٹ کی طرح ہوا میں لہراتا۔ یہ دیکھ کر اُس نے کھیل رُکوا دیا اور اُس جانب اشارہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

”دیکھو وہ بچہ ہمیں کھیلتے ہوئے دیکھ کر کتنا خوش ہو رہا ہے“۔

راجن اُس جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ ”ہاں یار! میں بھی

اُسے بہت دیر سے دیکھ رہا ہوں... لگتا ہے اُس بیچارے کو ہماری طرح کھیلنے کا موقع نہیں ملتا ہوگا۔"

"ہوسکتا ہے" جوزف نے کہا۔

"چلو اُس سے پوچھتے ہیں" گُلبیر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

انھیں اس طرح آپس میں باتیں کرتے دیکھ کر وہ بچہ سہم گیا اور میدان سے جانے لگا۔ اُسے جاتے دیکھ فرحان لپک جھپک کر اُس کے قریب پہنچ گیا اور انتہائی اپنائیت سے پوچھا۔

"فرینڈ تم ہمارے ساتھ کھیلو گے؟"

بچّے نے گردن ہلا کر ہاں کہا۔ اس دوران راجن، جوزف اور گُلبیر بھی وہاں آ گئے تھے۔ جوزف نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا "تم کو میں نے پہلے کبھی دیکھا نہیں، رہتے کہاں ہو؟"

"میں ادھر نہیں رہتا، بہت دور رہتا ہوں"۔ بچّے نے معصومیت سے جواب دیا۔

"پھر یہاں کیسے آ گئے؟" گُلبیر نے دریافت کیا۔

"میں ہے نا، ادھر ایک دوکان پر کام کرتا ہوں"۔

"کیا! . . . کام!!" چاروں ایک ساتھ چونک پڑے۔ پھر فرحان نے پوچھا "کس اسکول میں پڑھتے ہو؟"

"میں اسکول نہیں جاتا"۔ بچّے نے جواب دیا۔

"کیوں ؟" جوزف نے پوچھا۔

"معلوم نہیں، مگر دادی بولتی ہے ہم لوگ غریب ہیں... غریب لوگ اسکول نہیں، کام پر جاتے ہیں"۔

"کہاں کام کرتے ہو؟" راجن نے پوچھا۔

"غریب نواز ہوٹل میں... ٹیبل پر سے جوٹھے پلیٹ اور گلاس اُٹھاتا ہوں اور ٹیبل صاف کرتا ہوں"۔

"اس کام کے لیے تمھیں کتنے روپئے ملتے ہیں؟" فرحان نے پوچھا۔

"نہیں روپئے... لیکن کبھی کبھی ہاتھ سے کپ یا گلاس گر کر ٹوٹ جاتا ہے تو سیٹھ پورے پانچ روپئے کاٹ لیتا ہے اور ایک دو تھپڑ بھی لگا دیتا ہے..."

"کیا!" فرحان ایسے چونک پڑا جیسے تھپڑ اُس کے اپنے گال پر پڑا ہو۔

"تم اپنی دادی سے اُس کی شکایت نہیں کرتے ؟" راجن نے اُس سے پوچھا۔

"کرتا ہوں۔"

"پھر دادی کیا کہتی ہے؟"

"دادی کہتی ہے، بیٹا ہم لوگ غریب ہیں، غریبوں کا دنیا میں کوئی نہیں ہوتا سوائے بھگوان کے۔"

"تو اُس کی شکایت بھگوان سے کیوں نہیں کرتے؟" فرحان نے معصومیت سے کہا۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اُن کی جانب ایک ادھیڑ عمر شخص تیزی سے آیا اور پیچھے سے اُس بچّے کا کالر پکڑ کے گال پر تین چار تھپڑ جما دیے۔ بچّہ مارے ڈر کے تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر اُسے کھینچتے ہوئے میدان سے لے کر چلا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر سارے بچّے خوف زدہ ہو گئے اور وہ بھی کھیل روک کر اپنے اپنے گھر آ گئے۔

راجن گھر میں داخل ہوتے ہی زار وقطار رونے لگا۔ اُسے روتا دیکھ اُس کی ممی نے اُسے سینے سے لگا لیا اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ "دوستوں سے لڑائی ہوئی ہے کیا؟" راجن نے یوں ہی روتے ہوئے 'نہیں' میں سر ہلایا۔

"پھر میرے لال کو کسی نے کچھ کہا ہے؟" راجن نے پھر نہیں

میں سر ہلایا اور سسکتے ہوئے بولا۔ ''ممی، کیا غریب بچے اسکول نہیں جاتے؟''

''ہاں بیٹا، غریب بچے بھی اسکول جاتے ہیں، ہماری سرکار تو اب اُن بچوں کو بھی اسکول بھیج رہی ہے جو فُٹ پاتھوں پر رہتے ہیں، اُنہیں کاپیاں، کتابیں، پینسل، جومیٹری باکس، کلر باکس، اسکول بیگ، یونیفارم، جوتے، رین کوٹ یہاں تک کہ ایک وقت کا کھانا تک دے رہی ہے۔ تعلیم کا حق تو سبھی کے لیے ہے۔''

''لیکن ممی وہ بچہ تو کہہ رہا تھا کہ اُس کی دادی کہتی ہے غریب لوگ اسکول نہیں کام پر جاتے ہیں''۔ راجن ممی کی باتیں سُن کر آنسو پونچھتے ہوئے قدرے معصومیت سے بولا۔

''کون بچہ...... تم کس بچے کی بات کر رہے ہو؟'' ممی نے چونک کر پوچھا۔

''وہی بچہ جو آج ہم لوگوں کو میدان میں مِلا تھا، ممی وہ بہت اچھا بچہ ہے، لیکن اُس کو ایک انکل نے بہت مارا''۔

''کیوں مارا؟ ضرور اُس نے کچھ شرارت کی ہوگی!''

''نہیں ممی... وہ بچہ اُس انکل کے ہوٹل میں کام کرتا ہے...''

''کام کرتا ہے!... وہ بچہ کام کرتا ہے!!!'' ممی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''ہاں ممی، اُسے تیس روپے روز ملتے ہیں''۔

''کیا تم یہ سچ کہہ رہے ہو؟''

''ہاں ممی، یقین نہ ہو تو فرحان اور جوزف سے بھی پوچھ لو۔

''اگر یہ سچ ہے تو اُسے چائلڈ لیبر ایکٹ کے تحت جیل ہو سکتی ہے۔''

اسی وقت ڈور بیل بجی، راجن کی ممی نے لپک کر دروازہ کھولا، سامنے فرحان، جوزف اور گلبیر کے ساتھ ایک اور لڑکا تھا جسے دیکھتے ہی راجن لپک کر اُس سے لپٹ گیا اور پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر ممی کی طرف لاتے ہوئے بولا ''ممی یہی ہے وہ بچہ۔''

ممی نے اُس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جوزف سے پوچھا۔ ''لیکن یہ تم لوگوں کے ساتھ کیسے؟''

''آنٹی، یہ فرحان کا کمال ہے''

''وہ کیسے؟'' ممی نے حیرانی سے فرحان کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آنٹی آپ کو تو معلوم ہی ہے فرحان کے پاپا پولیس میں ہیں، فرحان نے اپنے پاپا سے ساری بات بتائی۔ وہ سُنتے ہی فوراً غریب نواز ہوٹل پہنچے اور اُس آدمی کو گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔ اِس کا بیان لینے کے بعد اپنے گھر لے آئے۔ اب اس کی دادی فرحان، جوزف اور میرے گھر کام کرے گی اور یہ ہمارے ساتھ اسکول جائے گا۔''

یہ سُن کر راجن کی ممی خوش ہوتے ہوئے بولی۔ ''ایسی بات ہے تو میں بھی اپنے گھر کا جھاڑو پونچھے کا کام اس کی دادی سے ہی کرواؤں گی۔''

راجن خوشی سے جھومتے ہوئے بولا۔ ممی یہ تو ٹھیک ہے، لیکن وعدہ کرو کہ اب سے میرے لیے دو ٹفن بنایا کرو گی۔''

''دو کیوں؟؟'' ممی چونک پڑی۔

''ایک میرے لیے اور دوسرا میرے اس نئے دوست کے لیے۔''

■

Ishtiyaque Saeed
B-01, New Mira Paradise
Geeta nagar, Phase-2
Mira Road, Mumbai

بابو آر کے

اَچھن میاں اور سانپ

اَچھّن میاں کی امی باورچی خانے سے بھاگی بھاگی چلاتے ہوئے نکلیں، اجی سنتے ہو جلدی آؤ باورچی خانے میں سانپ ہے۔ سانپ کا نام سنتے ہی اَچھن میاں فرش سے اچھل کر پلنگ پر یوں چڑھے جیسے سانپ ان کے پیروں میں لپٹ گیا ہو۔ وہ پلنگ پر کھڑے تھر تھر کانپتے ہوئے پھٹی پھٹی آنکھوں اور گھٹے گھٹے لہجہ میں بولے، امی سانپ باورچی خانے میں تو ہے لیکن ابو گھر میں نہیں ہیں..... ارے اللہ کیا کروں اب کیا ہوگا؟ کہتے ہوئے امی ہائے ہلّہ مچانے لگیں..... پھر ساڑی کے پلو سے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر بولیں ارے اچھن تیرے ابو کہاں ہیں؟ پلنگ پر سے اتر جا دیکھ..... یہ سن کر اچھن میاں بولے..... ارے امی ایسے موقع پر ابو گھر میں تھوڑی رہتے ہیں ہر مصیبت کے وقت ایک میں ہی ہوں جو گھر میں رہتا ہوں۔ یہ سن کر امی ماتھا پیٹ کر بولیں، ارے یہ شکوے شکایت چھوڑ پلنگ پر سے اتر، ابو کو دیکھ۔ جواب میں اچھن میاں بولے دیکھو امی میں ابو کو ڈھونڈنے جاؤں گا تو سانپ کھو جائے گا۔ آپ ہی بتایئے سانپ پر نظر رکھنے والا گھر میں میرے علاوہ کون ہے؟ دوسری بات میری غیر موجودگی میں سانپ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ نہیں نہیں میں ابو تھوڑی ہوں میں امتحان کی اس گھڑی میں تم لوگوں کو اکیلا چھوڑ کر ہرگز نہ جاؤں گا۔ ابو گھر میں نہیں ہیں تو کیا سانپ کو جانے دیں گے۔ نہیں نہیں سانپ کو ہم

ماریں گے۔ امی سے رہا نہیں گیا۔ وہ غصہ میں دانت پیس کر بولیں..... ارے بیٹا میں تمہاری بہادری کو خوب سمجھتی ہوں۔ گھر کے سارے لوگ نیچے کھڑے ہیں اور تم تیس مار خاں پلنگ پہ چڑھ کر شیخی بگھار رہے ہو، چھپکلی اور کاکروچ دیکھ کر تو جان نکلتی ہے جناب کی اور چلے ہیں سانپ مارنے۔ پھر یہ ہوا کہ امی کی ڈانٹ پھٹکار سن کر اچھن میاں ہمت کر کے پلنگ سے اترے اور ابو کو لانے گھر سے نکلے۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹے اور بولے، امی ابو تو کہیں بھی نہیں ہیں..... پھر خوش ہو کر بولے امی میں ایسا کرتا ہوں سانپ مارنے کے لیے میں پڑوس کے شرفو انکل کو لاتا ہوں۔ ان سے ابو کی ہمیشہ ان بن بھی رہتی ہے یعنی سانپ اور انکل دونوں ہمارے دشمن ہیں کوئی بھی جیتے ہارے۔ سانپ مرے یا وہ انکل کو کاٹے اس میں فائدہ ہمارا ہی ہے۔ یہ سن کر امی اچھن میاں کو ڈانٹتے ہوئے بولیں.....

ارے نالائق ایسی سوچ مت رکھ۔ الٹی سیدھی باتیں مت کر۔

پھر یہ ہوا کہ اچھن میاں ابو کو موبائل سے کال کر کے بولے..... ہیلو ابو آپ کہاں ہیں؟ سانپ میں گھر نکلا ہے جلدی گھر آئیں۔ یہ سنتے ہی ابو گھبرا کر بولے کیا کہا سانپ میں گھر نکلا ہے..... نہیں نہیں گھر میں سانپ نکلا ہے جلدی گھر آئیں..... ارے بیٹا مجھے آنے میں وقت لگے گا..... تو پھر..... ابو میں ایسا کرتا ہوں سانپ مارنے کے لیے میں شرفو انکل کو بلاتا ہوں..... ارے ایسا مت کرنا..... پچھلے مہینہ ہی یہ داؤ تو اس کے گھر والوں نے بھی چلا تھا۔ ان کے گھر میں نکلے سانپ کو مارنے انھوں نے مجھے بلایا تھا۔ میں گیا تھوڑی تھا..... ارے ابو آپ نے غلطی کی اس دن آپ سانپ کو مار دیتے تو آج وہی سانپ ہمارے گھر میں نہیں نکلتا..... خیر تم سانپ پہ نظر رکھو میں جلدی گھر پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں اور دیکھو گھر

والوں کو تم پریشان مت کرنا۔ مجھے پتہ ہے سانپ سے زیادہ گھر والے تم سے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اچھن میاں نے موبائل بند کیا اور پھر سانپ کو مارنے کی پلاننگ کرنے لگے۔ ترکیبیں سوچنے لگے۔ سانپ کو مارنے سے قبل وہ سانپ کو بہ نفس نفیس دیکھنا چاہتے تھے وہ ہمت جٹا کر امی کے ساتھ باورچی خانے کے دروازے تک آئے۔ ان کی امی باورچی خانے کے اس گوشے میں جھانکنے لگیں جہاں انھوں نے سانپ کی دم کو دیکھا تھا۔ امی کے ساتھ اچھن میاں بھی جھانکنے لگے۔ کچھ ہی پل کے بعد ان کی امی بولیں.....وہ.....وہ دیکھو آٹے کے ڈبے اور اسٹو کے بیچ کالے ناگ کی دم..... نظر آئی..... اچھن میاں آنکھیں پھاڑ کر بولے.....ارے باپ رے دم اتنی لمبی ہے تو جانور کتنا بڑا ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے اچھن میاں کو جھرجھری سی آگئی۔ اپنے تمام ڈر وخوف کے باوجود وہ سانپ کو مارنے کی ترکیب سوچنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انھوں نے امی سے دریافت کیا، امی اپنے گھر میں لکڑی کی لاٹھی یا کوئی ڈنڈا وغیرہ ہے؟ ہاں ہے امی نے کہا۔ انھوں نے پھر سوال کیا۔ اچھا اب یہ بتاؤ لکڑی کون سی ہے؟ کیوں کہ سانپ کو مارنے کے لیے لاٹھی نیم شیشم آم ببول یا ساگوان کی ہونی چاہیے۔ اگر لکڑی صندل کی رہی تو پھر خطرہ ہے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ صندل کی لاٹھی سے سانپ لپٹ بھی سکتا ہے۔ یہ سن کر امی ماتھا پیٹ کر بولیں یا اللہ رحم کر اچھن کو چپ کر۔ پھر دانت پیس کر بولیں..... میں کہتی ہوں یہ موقعہ سانپ کو مارنے کا ہے یا لکڑی کی قسمیں گنانے کا ہے۔ امی کے لاکھ خفا ہونے کے بعد بھی اچھن میاں نہیں رکے۔ وہ بولے امی کون کہتا ہے کہ ہم انسانوں نے ترقی کی ہے ہم آج بھی وہی لکیر کے فقیر ہیں۔ پرانے زمانے سے لے کر آج تک ہم سانپوں کو لاٹھی یا ڈنڈے سے مارتے آرہے ہیں۔ یہ سن کر امی نے کہا اچھا تو تمہارا ارادہ ہے کہ سانپوں کو بجائے لاٹھی یا ڈنڈے کے ٹینک میزائل یا ایٹم بم سے مارنا چاہیے؟ واہ بیٹا واہ کہتے ہوئے ان کی امی اچھن میاں کی عقل کا ماتم کرنے لگیں..... ہم سائنس و ٹیکنالوجی کے دور میں جی رہے ہیں۔ اب ہمیں سانپوں کو مارنے کے لیے جدید طریقوں کو اپنانا ہوگا۔ اس لیے آج ہم دنیا کو یہ کر کے دکھائیں گے۔ ہم سانپ کو لاٹھی ڈنڈے سے نہیں بلکہ الیکٹریکل طریقے سے ماریں گے۔ ہم الیکٹرک شاٹ دے کر سانپ کو ماریں گے۔ یہ کہتے ہوئے اچھن میاں اس کی تیاری میں جٹ گئے۔ اس کے لیے انھوں نے سب سے پہلے لاٹھی کے سرے پر وائر باندھا پھر انھوں نے وائر کے دوسرے سرے کو ساکٹ میں ڈال کر سوئچ آن کیا۔ اس کے بعد انھوں نے لاٹھی کے ذریعہ..... وائر کو سانپ کی دم سے جیسے ہی ٹچ کیا باورچی خانہ شیر کی دہاڑ کی طرح بلی کی غراہٹ سے تھرّا اٹھا۔ گھر میں ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ گھبراہٹ میں لوگ ایک دوسرے پہ گرنے لگے اور پھر اچھن میاں کا الیکٹریکل طریقے سے سانپ مارنے کا یہ ہنگامہ ختم ہونے کے بعد گھر کے افراد نے سانپ کی دم کو بلی کی دم ہی بنتے نہیں دیکھا بلکہ سانپ کو بلی بنتے بھی دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد..... جب گھر میں سکون ہوا تو سارے لوگ سانپ کے اس واقعہ پر اچھن میاں اور ان کی امی کے واویلوں اور ہنگاموں کو سوچ سوچ کر ہنسنے لگے اور پھر سارا گھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔

■

Babu R.K
Quasidpura, Achalpur City
Disttm: Amravati - 444806 (Maharashtra)

عبدالوہاب قاسمی

ہوم ورک

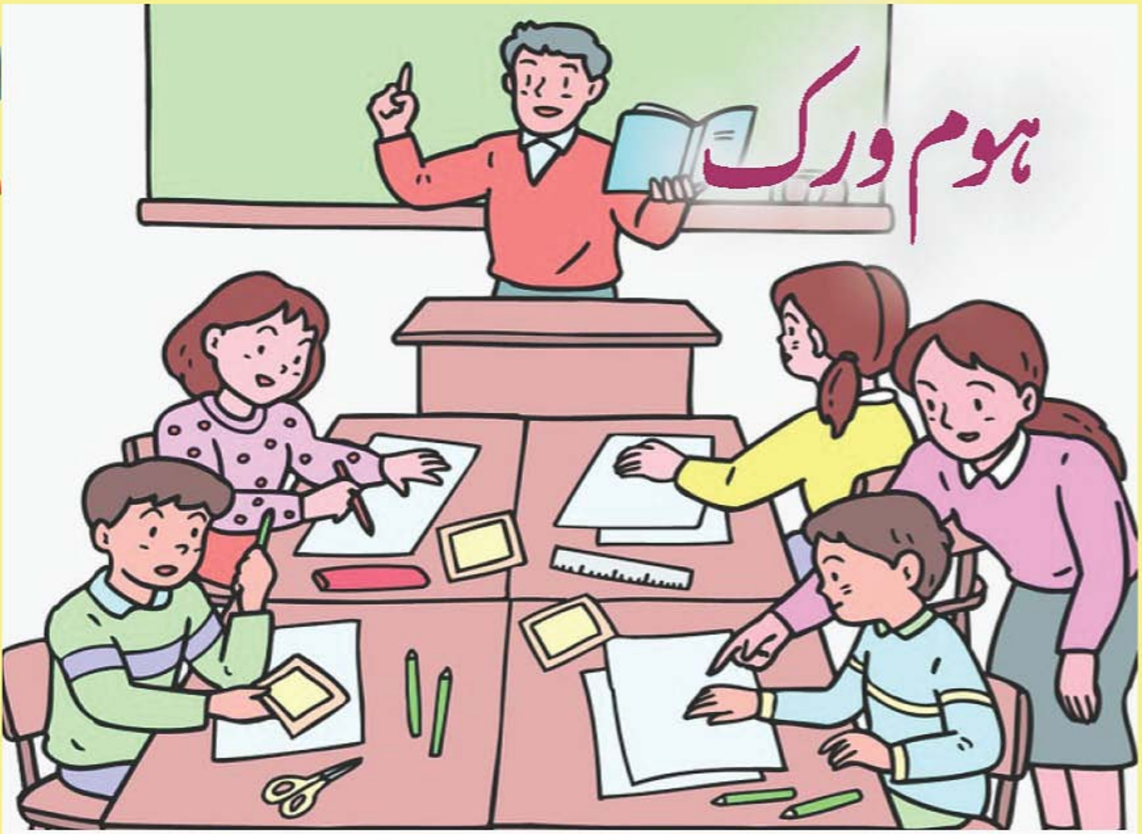

آج کلاس میں استاد نے اعلان کیا کہ

اگر سارے بچے کل ہوم ورک پورا کر کے آئیں گے تو وہ انھیں ایک خوبصورت کہانی سنائیں گے۔

سارے بچے یہ سن کر پہلے چونکے پھر خوش ہو کر استاد کو دیکھنے لگے۔ کہانی سننے کے شوق میں ان کے دل کے اندر عجیب خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مگر وہ بچے جو ہمیشہ اپنا ہوم ورک بنا کر لاتے تھے مایوس نظر آئے۔ انھیں ڈر تھا کہ اگر کسی بچّے نے اپنا کام پورا نہیں کیا تو پھر وہ استاد سے کہانی نہیں سن پائیں گے۔

اچانک ایک بچہ کھڑا ہوا اور استاد سے پوچھنے لگا کہ:

”سر!“ اگر کوئی بچہ ہوم ورک پورا کر کے نہیں لائے گا تو کیا آپ اسے کہانی نہیں سنائیں گے؟“

استاد نے جواب دیا ”بالکل نہیں، میری شرط یہ ہے کہ اگر ہر بچہ اپنا کام مکمل کر کے آئے گا تو میں کہانی سناؤں گا“

اس کے منہ سے ......آہ......اور......اف......کی آواز نکلی اور وہ مایوس ہو کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

ایک اور بچہ کھڑا ہوا اور اس نے سوال کیا ”استاد محترم! کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ آپ صرف انھیں بچوں کو کہانی سنائیں جو ہوم ورک پورا کر کے آئے ہوں“

کئی بچے اس کی تائید میں بولنے لگے:

”استاد! ......یہ رائے اچھی ہے.....اچھی ہے.....اچھی ہے!!

استاد نے کہا تم لوگوں کا مطلب ہے کہ ہم ایک ہی کلاس

بچو!......ایک استاد اپنے عزیز شاگرد ریحان کے ساتھ ٹہلتے ہوئے کھیت کھلیان کی طرف نکل گئے۔ انھوں نے ایک مزدور کو دیکھا جو اپنے جوتے اتار کر کھیت میں کام کر رہا تھا۔ جوتا دیکھتے ہی ریحان نے اپنے استاد سے کہا:

میں اس جوتے کو چھپا دیتا ہوں، جب مزدور کام سے واپس آئے گا اور اسے جوتے نہیں ملیں گے تو وہ بے چین ہوگا...... ادھر ادھر ڈھونڈے گا...... ہم لوگ کچھ دور کھڑے اس نظارے سے خوش ہو رہے ہوں گے...... تھوڑی دیر بعد اسے جوتے واپس کر دیے جائیں گے۔"

استاد نے کہا......

"ایک خیال میرا بھی ہے...... تم ایسا کرو کہ چپکے سے اس کے دونوں جوتوں میں دس دس کے نوٹ رکھ دو...... جب وہ مزدور واپس آ کر اپنے جوتے پہنے گا...... تو اس میں اسے روپے ملیں گے تو وہ کس قدر خوش ہوگا اور دینے والے کو کتنی دعائیں دے گا...... ہم دور کھڑے اس کی خوشی سے خوش ہو رہے ہوں گے......

ریحان استاد کی اس بات سے بہت خوش ہوا۔ وہ چپکے سے کسان کے جوتے اٹھا لایا۔ ان میں دس دس کے نوٹ ڈالے اور پھر انھیں اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ استاد اور شاگرد دونوں کچھ دور ہٹ کر چھپ گئے۔

شام ہونے والی تھی۔ مزدور اپنا کام کر کے واپس آیا۔ جیسے ہی اس نے جوتے میں پیر ڈالا اسے محسوس ہوا کہ اس میں کچھ ہے۔ اس نے جوتے کے اندر جھانک کر دیکھا تو اس میں دس کے نوٹ پر نظر پڑی۔ وہ خوش ہوا اور اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ اب اس نے دوسرے جوتے میں پیر ڈالا تو اس میں بھی کسی چیز کے ہونے کا احساس ہوا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس میں بھی روپے ہیں۔ اس کا خیال درست ثابت ہوا۔ اس میں بھی دس کا نوٹ موجود تھا۔ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آج اسے پیسے کی سخت ضرورت تھی۔ اس نے اپنے آس پاس نظر دوڑائی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرنی شروع کیں۔ کچھ دیر تک زور زور سے پیسے رکھنے والے کو دعائیں دیتا رہا۔ پھر خوشی خوشی گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ریحان اپنے استاد کے ساتھ دَم سادھے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ایک بے بس اور ضرورت مند مزدور کی خوشی دیکھ کر اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے۔ وہ اپنے استاد سے چمٹ گیا اور رو رو کر کہنے لگا:

"سر! اگر آپ کا اتنا خوبصورت مشورہ نہ ہوتا تو مجھے یہ نیک کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا"

استاد نے اس کے آنسو پوچھتے ہوئے کہا:

"بیٹا! آج ہر کوئی ایک دوسرے کو تکلیف دے کر خوش ہو رہا ہے۔ جب کہ اچھے لوگ ہمیشہ دوسروں کو خوشی پہنچا کر خوش ہوتے ہیں اور اسی سے ان کے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ تم اگر سچی خوشی چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش کرنا سیکھو"۔

استاد کی کہانی ختم ہو چکی تھی۔ کلاس روم تالیوں سے گونج رہا تھا۔ کچھ بچے آپس میں کہہ رہے تھے۔ "ہم بھی ویسا ہی کریں گے جیسا ریحان نے کیا"!

■

Abdul Wahab Qasmi
Iqra Public School
Haq Nagar, Soorapur
Siwan - 841226 (Bihar)

مہروز فاطمہ

گھر کا نہ گھاٹ کا

وجے پور گاؤں میں ایک بڑا میلا لگا تھا۔ اس میلے میں آئے لوگ طرح طرح کی چیزیں دیکھ اور خرید رہے تھے۔ گدھا بیچنے والے کے پاس بھی بہت بھیڑ تھی۔ لوگ اس سے چست اور تندرست گدھے خرید کر لے جا رہے تھے۔ گدھے کا ایک چھوٹا بچہ سہما سا ایک طرف کھڑا سوچ رہا تھا، 'نہ جانے مجھے کون لے جائے گا۔' تبھی ایک بوڑھا وہاں آیا اور اسے خرید کر اپنے ساتھ لے گیا۔

اس بوڑھے آدمی کو گاؤں کے لوگ راموکاکا کہتے تھے۔ راموکاکا گدھے کے بچے کا بہت خیال رکھتے۔ پیار سے انہوں نے اس کا نام گدھو رکھ دیا تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ اب گدھو تھوڑا بڑا ہو گیا تھا۔ راموکاکا جب بھی بازار جاتے اسے بھی ساتھ لے جاتے۔ بازار سے واپسی پر کچھ سامان اپنے ہاتھ میں لیتے اور کچھ اس کی پیٹھ پر لاد دیتے۔ وہ بڑی خاموشی سے ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا۔ اس نے کبھی انہیں شکایت کا موقع نہیں دیا لیکن ایک دن اچانک گدھو کے دماغ میں آیا، 'کیوں نہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ ...نہیں تو یہ بوڑھا کام کروا کروا کر مجھے مار ڈالے گا۔'

گدھو نے اس سوچ کو جھٹکنا چاہا مگر سوچ اس پر حاوی ہو گئی تھی۔ وہ بھاگ گیا۔

بھاگتے بھاگتے تھک کر ستانے کے لیے گدھو ایک گھر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اسے کچھ دیر بعد نیند آ گئی۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ رسی سے بندھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی مندی مندی آنکھوں سے سامنے دیکھا تو وہاں ایک موٹا تگڑا آدمی کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

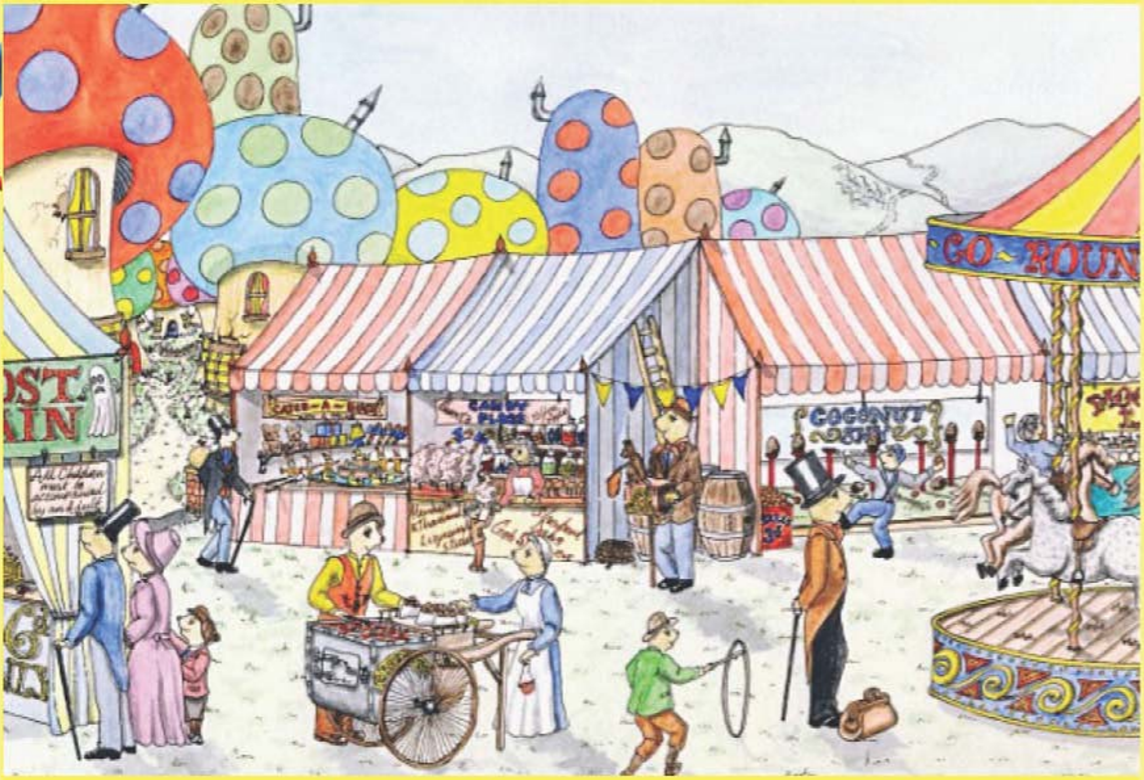

گدھو کو سمجھتے دیر نہ لگی کہ اب اسے اسی کے ساتھ رہنا پڑے گا۔ یہی ہوا۔ وہ موٹا آدمی اس کی پیٹھ پر ڈھیر سارا سامان لاد کر بیچنے کے لیے بازار جاتا اور دن بھر تھکا کر رات میں کھانے کے لیے اسے سوکھی گھاس دیتا۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے۔

رامو کاکا کی یاد آنے پر گدھو رونے لگتا۔ اپنے ساتھ بندھے جانوروں کو رامو کاکا کے بارے میں بتاتا کہ کس طرح وہ اس کا خیال رکھتے تھے۔ اس کی پسند کا کھانا بھر پیٹ کھلاتے، بازار سے آتے وقت خود زیادہ سامان لیتے اور کبھی بھی اس کی پیٹھ پر زیادہ سامان نہیں رکھتے تھے۔ کبھی اسے رسی سے باندھ کر نہیں رکھا۔ یہ سب باتیں کرتے ہوئے وہ اداس ہو جاتا تو اس کے ساتھی جانور ادھر اُدھر کی باتوں میں اسے بہلانے کی کوشش کرتے لیکن وہ جلدی بہل نہیں پاتا تھا۔

ایک دن موٹا آدمی بیمار پڑ گیا۔ وہ جانوروں کو باندھنا بھول گیا۔ اس بات پر جانوروں کو بڑی حیرانی تھی مگر گدھو کو خوشی تھی کہ اب وہ یہاں سے بھاگ سکتا ہے۔ اس نے ساتھی جانوروں سے کہا، ’موقع اچھا ہے، تم سب بھی میرے ساتھ بھاگ چلو۔‘

یہ سن کر سب جانور کہنے لگے، ’نہیں، نہیں۔ ہمیں کہیں نہیں جانا۔ کیا پتہ ہمارا نیا مالک اس مالک سے بھی زیادہ برا ہو۔... بھائی تم ہی جاؤ۔‘

ساتھوں کی بات سن کر گدھو نے کہا، ’ارے بھائی، ڈرو نہیں۔ میں تمھیں رامو کاکا کے پاس لے جاؤں گا۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔... تم سب کو بہت پیار سے رکھیں گے۔‘

گدھو کے ضد کرنے پر بھی اس کے ساتھی جانور اس کے ساتھ نہیں گئے۔ گدھو اداس سا وہاں سے چلا گیا۔

کافی دنوں تک تلاش کرنے کے بعد گدھو رامو کاکا کا گھر ڈھونڈنے میں کامیاب ہوا تو اس کی اداسی خوشی میں بدل گئی لیکن رامو کاکا کے گھر کے دروازے پر لگے تالے کو دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی اور مایوسی بھی ہوئی۔

گدھو گھر کے باہر بیٹھ کر رامو کاکا کا انتظار کرنے لگا۔ کئی دن گزر گئے، رامو کاکا نظر نہیں آئے۔

گاؤں کے لوگ ترس کھا کر کھانے کے لیے گدھو کو کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے مگر گزرتے دنوں کے ساتھ اس کی آس ٹوٹتی جا رہی تھی، تبھی ایک دن ایک نوجوان کچھ لوگوں کے ساتھ آیا اور رامو کاکا کے گھر کے دروازے پر لگے تالے کو کھول کر گھر میں داخل ہو گیا۔ گدھو اس نوجوان کو گھر میں جاتا دیکھ کر اس کے پیچھے گیا۔ اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ وہ نوجوان اپنے ساتھ آئے لوگوں کو پورا گھر دکھا رہا ہے۔

نوجوان کی نظر جب گدھو پر پڑی تو اس نے مار کر اسے بھگانا چاہا لیکن گاؤں کے ایک بوڑھے نے، جو گھر کا تالا کھلا دیکھ کر اندر آ گیا تھا، اسے ایسا کرنے سے روک دیا، 'ارے بیٹا، تم اسے مت مارو.... یہ تو تمھارے بابو جی کا پوسا ہوا گدھا ہے۔ کچھ مہینے پہلے کہیں چلا گیا تھا.... اب واپس آ کر گھر کے باہر ہی بیٹھا رہتا ہے۔ نہ کہیں جاتا ہے اور نہ ہی زیادہ کھاتا پیتا ہے۔ ...جب تم آ ہی گئے ہو تو اسے بھی اپنے ساتھ شہر لے جاؤ۔'

'پر چاچا، میں تو یہ گھر بیچ کر شہر میں ہمیشہ کے لیے رہنے جا رہا ہوں.... اسے میں کہاں رکھوں گا.... شہر والے گھر میں تو اتنی جگہ نہیں ہے کہ میں اسے وہاں رکھوں۔'

'پر بیٹا، یہ گدھا تو تمھارے بابو جی کا بہت ہی پیارا تھا.... جب یہ بھاگ گیا تھا تو رامو کاکا اسے بہت دنوں تک ڈھونڈتے رہے اور اس کے نہیں ملنے پر اداس رہنے لگے۔'

بوڑھے کی باتیں سن کر نوجوان سوچنے لگا، 'اچھا، ایسا کرتا ہوں...اسے میں گھر کے نئے مالک کو دے دیتا ہوں۔' یہ کہہ کر وہ دائیں طرف کھڑے آدمی سے مخاطب ہوا، 'کیوں رجت جی آپ اسے رکھیں گے نا؟'

'ہاں، میں اسے رکھ لوں گا.... کچھ نہ کچھ تو کام آ ہی جائے گا۔'

رجت نے گدھو کو اپنے ساتھ رکھ تو لیا لیکن وہ رامو کاکا جیسا نہ تھا۔ اس کی پیٹھ پر بہت وزن لاد دیا کرتا تھا۔ ذرا سا ہلنے ڈلنے پر اسے مارا بھی کرتا تھا۔

تھوڑے ہی دنوں میں گدھو کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بیمار رہنے لگا۔ بیماری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا تھا۔

گدھو اپنے آخری دنوں میں گزرے ہوئے دنوں کے بارے میں سوچتا رہتا، 'میری زندگی کیا سے کیا ہو گئی؟...جس نے مجھے پالا اور پیار سے رکھا، اس کے پاس سے میں بھاگ گیا اور جس نے مجھے زبردستی باندھ کر رکھا، روکھا سوکھا کھلایا، بوجھ اٹھوایا، سب کیا مگر اس نئے مالک کی طرح کبھی مارا پیٹا نہیں، اچھی زندگی جینے کے لیے میں وہاں سے بھی بھاگ آیا.... میرے ساتھی صحیح کہتے تھے، نہ جانے نیا مالک کیسا ہو مگر میری تو عقل ماری گئی تھی.... میں گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔'

■

Mahroz Fatma
C/o Syed Shabbir Haider (Advocate)
Jahazi Kothi, Mohalla Kamra
Muzaffarpur-842001 (Bihar)

علی عباس

گلہری

اُجلی، بھوری اور سنہری
مَن کو لیتی موہ گلہری
ننھی منی، پیاری پیاری
لیے پیٹھ پر کالی دھاری
پلک جھپکتے اوپر جاتی
پل بھر میں پھر نیچے آتی
ناچتی پھرتی ڈالی ڈالی
سچ مچ باغ کی لگتی مالی
نئے نئے وہ کھیل دکھاتی
اور پھولوں سے میل بڑھاتی
ہرے بھرے پیڑوں سے یاری
اونچی نیچی راہ پہ بھاری
جنگل جنگل گھوم رہی ہے
پھولوں کے سنگ جھوم رہی ہے
آسیہ اس سے دور کہیں ہے
ابھمان اس کے پاس نہیں ہے
بکھراتی ہر دم مسکان
ندیا جیسی ہے گتی مان
میری بات اگر تم مانو
چلو گلہری کو پہچانو
اس کے جیسے ہو گتی مان
جیون کو جانو وردان
مایوسی کو دور بھگاؤ!
آشاؤں کا دیپ جلاؤ

■

Dr. Ali Abbas 'Ummid'
01, Star Residency, Idgah Hills
Bhopal - 462001 (Madhya Pradesh)

وقت

وقت کی طاقت جان لو بچو
کہنا میرا مان لو بچو
وقت بڑی شے ہے نادانو
اس کی قیمت خود پہچانو
بات کو میری غور سے سن لو
وقت کو ہاتھ سے جانے مت دو
وقت کی پروا جو نہیں کرتا
وہ رہتا ہے آہیں بھرتا
ناشتہ کرکے گھر سے نکلو
وقت سے اپنے مکتب پہنچو
جو بھی کام ملے کرنے کو
وقت سے پہلے پورا کرلو
وقت پہ یہ سب کرنا سیکھو
لکھنا سیکھو پڑھنا سیکھو
شوق سے پھر تم کھیلو کودو
وقت پہ کچھ آرام بھی کرلو
وقت ہے جس کے ہاتھ میں رہتا
اس کا مقدر ساتھ میں رہتا
وقت سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہے
وقت فلک ہے وقت زمیں ہے

وقت ہے اک معراج ترقی
یعنی اک منہاج ترقی
کام میں جو لاتے ہیں اس کو
دوست سدا پاتے ہیں اس کو
وقت سے یوں کترانے والے
ہوتے ہیں پچھتانے والے
وقت پلٹ کر کب آیا ہے
وقت ہوا کا اک سایا ہے
وقت سے غافل ہونا برا ہے
یعنی اک تعزیر و خطا ہے
وقت سے پہلے کام نہ کرنا
بچو! ہے کانٹوں پر چلنا
اس میں ہے نقصان سراسر
کھو دیتے ہیں وقت جو پاکر
وقت کی قدر نہیں جو کرتے
رہتے ہیں بس ہاتھ ہی ملتے
وقت کو اپنے کام میں لاؤ
پھر اس کے پھل میٹھے پاؤ
غازی اس کو جاننے والے
مان گئے ہیں ماننے والے

■

Dr. Younus Ghazi
Dept of Urdu, Meerut College
Meerut (UP)250001

سفینہ بیگم

خالہ کریمن

خالہ کریمن سے پورا محلّہ واقف تھا۔ اپنے مخصوص ڈیل ڈول اور قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان اس کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ جب تک وہ پورے محلے کا ایک چکر نہ لگا لیتیں انھیں سکون نہیں ملتا تھا۔ ہر گھر میں کن سوئیاں لیتی پھرتی تھیں اور پھر گھر آ کر گھنٹوں ان پر تنقید و تبصرہ چلتا تھا۔ محلے کی کچھ عورتیں انھیں پسند کرتیں تو کچھ ناپسند۔ جو ان کو پسند کرتیں ان کا مزاج خالہ کریمن جیسا ہی تھا اور جو انھیں ناپسند کرتیں وہ خالہ کو وبال جان ہی سمجھتی تھیں۔ ان کی ایک بڑی کمی ان کی کمزور یادداشت تھی۔ لیکن اس کے باوجود پورے محلے میں جو بھی سن کر آتیں وہ من و عن (بالکل وہی) بیان کر دیتیں۔ خالہ کریمن کے والد کا انتقال ان کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد خالہ نے اپنی اماں کو ہمیشہ ایک ایسی بے بس چڑیا کی مانند پایا جس کے پر کاٹ لیے گئے ہوں، وہ اڑنے کے لیے بے تاب ہو لیکن اڑ نہ سکے۔ خالہ اکثر اپنی اماں کو خوش رکھنے کے لیے عجیب عجیب حرکتیں کرتیں لیکن گھن لگی ہوئی چیز کو تو آخر کار خراب ہی ہونا ہوتا ہے۔ چند سال زندہ رہنے کے بعد وہ بھی خالہ کو اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلی گئیں۔ اور تب آناً فاناً ان کے چچا نے ان کی شادی وکیل صاحب سے کر دی۔

اس گھر میں ایک طویل عرصہ گذارنے کے بعد خالہ نے ایک نئی عادت اختیار کر لی تھی اور وہ تھی محلے بھر کی باتیں سن کر اس سے اپنے گھر والوں کو باخبر کرنا۔ خالہ کریمن کی اس عادت سے ان کے گھر کے افراد بہت پریشان رہتے تھے۔ بہوئیں بیٹے بھی ان سے کبھی کچھ کہنے کی ہمت نہیں جٹا پاتے اور خاص طور پر ان کے شوہر حاجی وکیل، ان کو دیکھ کر ایسا لگتا کہ ہندوستان تو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو گیا ہے بس وہی ایک غلام رہ گئے ہیں۔ جب بھی خالہ کریمن پورے محلے میں

گھوم کر آتیں ان کا شکار حاجی وکیل ہی ہوتے، باقی سب اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے۔ وکیل صاحب اگر کچھ کہنا بھی چاہتے تو خالہ کریمن انہیں یہ موقع ہی نہیں دیتی تھیں، تیزی سے چلتی ہوئی زبان اور پان چباتے ہوئے وہ بات کو مکمل کر کے ہی دم لیتیں۔ اس دوران ان کو یہ بھی خیال نہیں رہتا کہ پان کی پیک کی ایک لکیر ہونٹوں کے کنارے سے بہتی ہوئی ٹھوڑی تک آجاتی اور آخر میں ایک لمبا سانس لے کر وہ شاہانہ انداز میں اس طرح اٹھتیں گویا کوئی قلع فتح کر لیا ہو۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ خالہ کریمن کو اپنے گاؤں کسی شادی میں جانا تھا۔ انھوں نے چند روز قبل ہی وکیل صاحب کو گاؤں جانے کے لیے کہہ دیا تھا۔ اگلے دن وہ تمام ساز و سامان کے ساتھ تیار تھیں گویا شادی میں شریک ہونے نہیں بلکہ بیاہ کر کے پورے جہیز کے ساتھ رخصت ہو رہی ہوں۔ وکیل صاحب نے سامان کی طرف دیکھ کر دریافت کیا کہ ”اتنا سامان“... خالہ کریمن نے بات کے درمیان ہی وکیل صاحب کو خطرناک نگاہوں سے گھورا تو وہ تمام سامان کو جیسے تیسے لے کر باہر نکل گئے۔ اتنے سامان کے ساتھ بس میں تو سفر ٹھیک ٹھاک گزر گیا لیکن گاؤں کے اندر جانے کے لیے انہیں تانگہ کرنا پڑا۔ گاؤں کی سڑک نہایت ہی خراب تھی۔ تانگہ میں ایک طرف خالہ کریمن اور دوسری طرف وکیل صاحب براجمان تھے۔ اچانک خالہ کو کچھ یاد آیا اور وہ اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کوئی چیز ٹٹولنے لگیں اور ایک دم انہوں نے ایک چیخ ماری جس سے ان کا وجود بھی ہل گیا اور ساتھ ہی سڑک کے کنارے کھدے ہوئے گڈھے میں تانگہ کا پہیہ بھی چلا گیا۔ اس جھٹکے سے خالہ بے چارے وکیل صاحب پر جا گریں، نتیجتاً پورا تانگہ پلٹ گیا۔ سامان تو تانگہ سے گرا ہی، خالہ کے بھاری بوجھ سے وکیل صاحب کی آواز حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔ جیسے تیسے لوگوں نے انہیں اٹھایا اور وکیل صاحب کے پوچھنے پر معلوم ہوا

کہ اپنا بیگ تو وہ گھر ہی بھول آئی ہیں۔

خالہ کریمن دوسروں کے دکھ درد میں ہمہ وقت شریک رہتیں۔ پڑوس کی بوا حسینی سے ان کی ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی۔ خالہ ان کو بالکل پسند نہیں کرتی تھیں۔ لیکن بوا حسینی کی بیٹی کی شادی کے موقع پر جب پیسوں کی ضرورت پیش آئی اور بوا حسینی نے اپنا دکھڑا رو رو کر ان کے سامنے بیان کیا جس میں مرحوم شوہر کی یاد بھی شامل تھی تو خالہ کریمن بھی ان کے ساتھ اتنا روئیں کہ دوپٹے کا آنچل بھیگ گیا اور اگلے ہی دن اپنی تمام جمع پونجی لے جا کر بوا حسینی کے آگے ڈھیر کر دی۔ بوا نے نم آنکھوں سے ان کو گلے لگا لیا اور یوں تمام گلے شکوے دور ہو گئے۔ خالہ کریمن جب شادی ہو کر اس گھر میں آئیں تو ان کی ایک عدد ساس بھی موجود تھیں جو شادی کے دوسرے دن سے ہی بہو کو اپنے قابو میں رکھنے کی ترکیب سوچتی رہتیں اور چاہتیں کہ وہ ہمیشہ ان کی غلام رہیں۔ شروع میں خالہ اپنی ساس کے اشاروں پر چلتی رہیں۔ لیکن جیسے جیسے دن گزرتے گئے ان کے گھر میں نت نئے جھگڑے ہونے لگے اور کبھی کبھی تو یہ جھگڑے اتنے بڑھ جاتے کہ محسوس ہوتا کہ ایک جنگ شروع ہو گئی ہو۔

خالہ کریمن دل کی بری نہیں تھیں، لیکن وہ کسی سے دب کر بھی زندگی نہیں گزار سکتی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ گھر کے ہر فرد کو اس کا درجہ دیا جائے، پر یہاں ان کے ساتھ معاملہ ہی دوسرا تھا۔ وہ اپنی ساس کی شکایت شوہر سے کرتیں، لیکن وکیل صاحب تو خود ہی اپنی ماں سے ڈرتے تھے، لہٰذا وہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے۔ روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر ان کا دل ساس کے کام کرنے سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ ایک دن ساس نے انھیں اپنا کرتا استری کرنے کے لیے دیا، بڑے جلے دل کے ساتھ وہ اسے استری کرنے لے گئیں، لیکن چند ہی سکنڈ میں جیسے ہی انہوں نے اس پر استری رکھی، وہ اتنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ اسی اثنا میں ساس انھیں اپنے کرتے کے لیے آواز دینے لگیں تو گھبراہٹ میں انھوں نے پلنگ پر پڑا ہوا کرتا لے جا کر دے دیا۔ بعد میں ان کی چیخ پکار سے معلوم ہوا، وہ تو وکیل صاحب کا کرتا تھا۔

جس دن ان کی ساس کا انتقال ہوا۔ اس دن سے خالہ کریمن کو آزادی مل گئی اور اس گھر پر ان کا راج ہو چلا۔ اپنی ساس کی وفات کے بعد سے ہی وہ پورے محلے میں خالہ کریمن کے نام سے مشہور ہو گئیں کیونکہ وہ گھر میں اب بڑی تھیں، اور بغیر کسی روک ٹوک کے آرام سے محلے میں گھومتیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر عورتیں انھیں بلا کر لے جاتیں اور محفل میں بٹھا کر ڈھول ان کے ہاتھ میں دے دیا کرتیں، پہلے تو وہ نخرے کرتیں، پھر ذرا دیر بعد ڈھول پر تھپکی مار کر ایسا گاتیں کہ محسوس ہوتا ان سے اچھا گانے والا آج تک پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ پاس میں بیٹھی دلہن کے علاوہ سب ادھر ادھر ہو جاتے۔

خالہ کریمن جب تک زندہ رہیں اپنی مثال آپ تھیں۔

ایک دن نل سے پانی بھرتے ہوئے ان کا جو پیر پھسلا تو کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور کچھ دن زندہ رہنے کے بعد وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں۔ ان کے جانے کے بعد بھی ان کے چرچے محلے بھر میں برقرار رہے۔ کہیں خوبیوں کے سبب تو کہیں خامیوں کی وجہ سے، وہ ہر ایک کی زبان پر اور دل میں موجود تھیں۔

■

Safeena Begum
Asst. Professor, Dept of Urdu
Mahatma Gandhi Kashi Vidyapith Varanasi
Varansi - 221002 (UP)

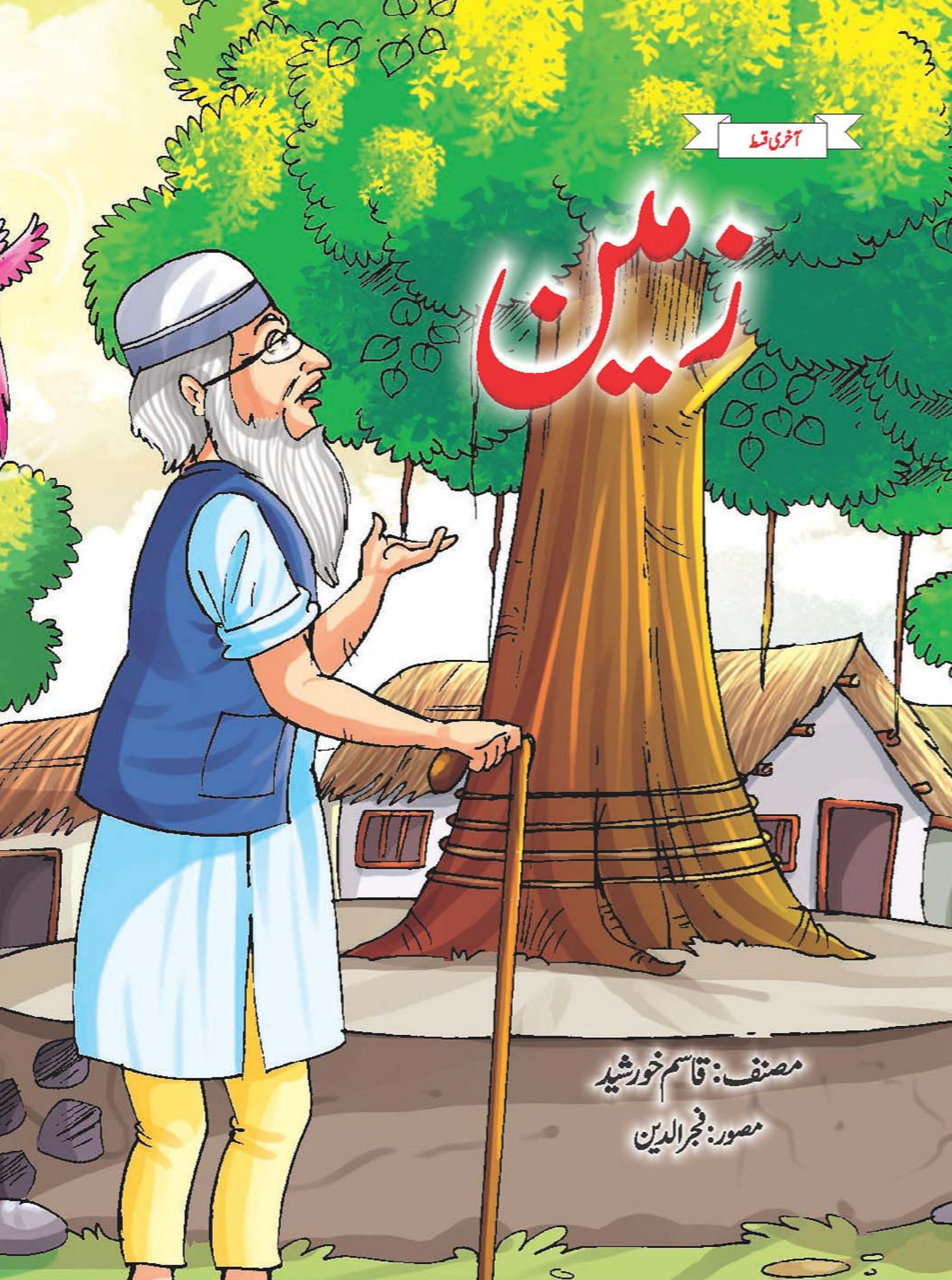

آخری قسط

زمین

مصنف: قاسم خورشید

مصور: فجر الدین

ابا کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تو دور سے پیپل کے گھنے درخت کے نیچے چبوترے پر لیٹے ہوئے نظر آئے۔ انھیں قریب سے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوا تھا کہ دنیا کی ہر فکر سے بے خبر ہو کر بہت سکون کے ساتھ سو رہے ہیں۔

بیٹے وہاں پہنچنے کے بعد ابا کو چین سے سوتا ہوا دیکھ کر پاس میں بیٹھ گئے۔ انھیں جگانے کی کوشش نہیں کی لیکن جب اندھیرا اور گھنا ہو گیا تو دوڑتا ہوا منّو درخت کے نیچے آیا اور اپنے دادا جی کو جگانے کی بہت کوشش کی لیکن شیخ رمضانی پورے طور پر سرد ہو چکے تھے۔

بیٹوں پر سکتہ طاری ہوگیا کہ انھوں نے اچانک اُس عظیم ترین سانحے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ مذہبی کتابوں کے حوالے سے ہزاروں پیغمبروں کے بارے میں سنا تھا، ان کے پیغامات پر ایمان بھی لا چکے تھے لیکن کیا یہ ممکن تھا کہ کسی بے حد معمولی کسان کے گھر اور جو بظاہر روایتی انداز سے اپنے خالق کی عبادت میں بھی کبھی مشغول نہیں پایا گیا ہو۔ جس نے اپنی چھوٹی سی کائنات کے انسانوں میں ہی سب کچھ تلاش کرلیا ہو، جس نے اپنے جینے کے انداز سے ہزاروں صحت مند تبدیلیاں لائی ہوں اور اس عالم سے صرف شیخ رمضانی ولد شیخ ربانی بن کر اٹھ گیا ہو۔ کیا ایسے انسان کے گھر پیغمبر کی رسم لوٹ آنے کی بات پر کوئی یقین کرسکتا ہے؟ لیکن یہ تو طے ہے کہ آج جو درخت دور تک شیخ رمضانی کی دی ہوئی زمین پر بانہیں پھیلا کر کھڑا ہے اور جس کی

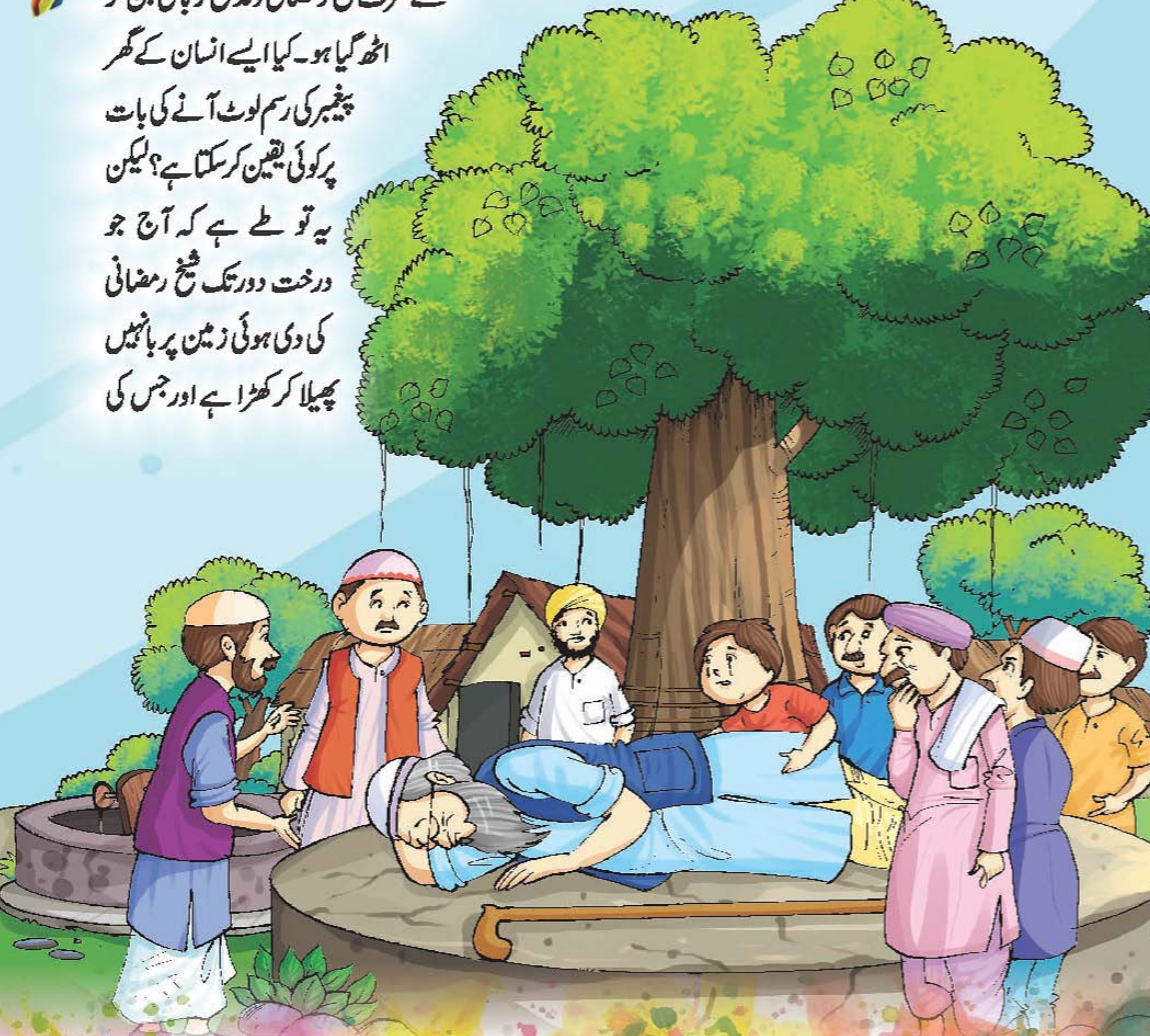

جڑیں نہ جانے کہاں کہاں تک پھیل چکی ہیں۔ شاید کوئی چاہ کر اسے نہیں مٹا سکتا۔ یہی سوچ کر سچ مچ دونوں پورے طور پر بھیگ چکے تھے۔ ساری رات انھوں نے روتے ہوئے کیسے گزار دی اس کا احساس تک نہیں ہو سکا۔ جہاں درخت کی بانہیں زمین پر جھکی تھیں بیٹوں نے وصیت کے مطابق شیخ رمضانی کو وہیں پر دفنایا تھا۔ پھر درخت کے نیچے سب کچھ پہلے جیسا ہونے لگا۔ اب عقیدت بھی بڑھی تھی۔ سبھوں کو وشواس تھا کہ شیخ رمضانی بابا انھیں دیکھ رہے ہیں۔

کئی مہینے گزر گئے۔ ایک روز منّو اسی درخت کے نیچے کھیل رہا تھا کہ اس نے دیکھا، دادا جی کی قبر کی مٹی سے ایک چھوٹا سا پیپل کا پودا اُگا ہے۔ وہ

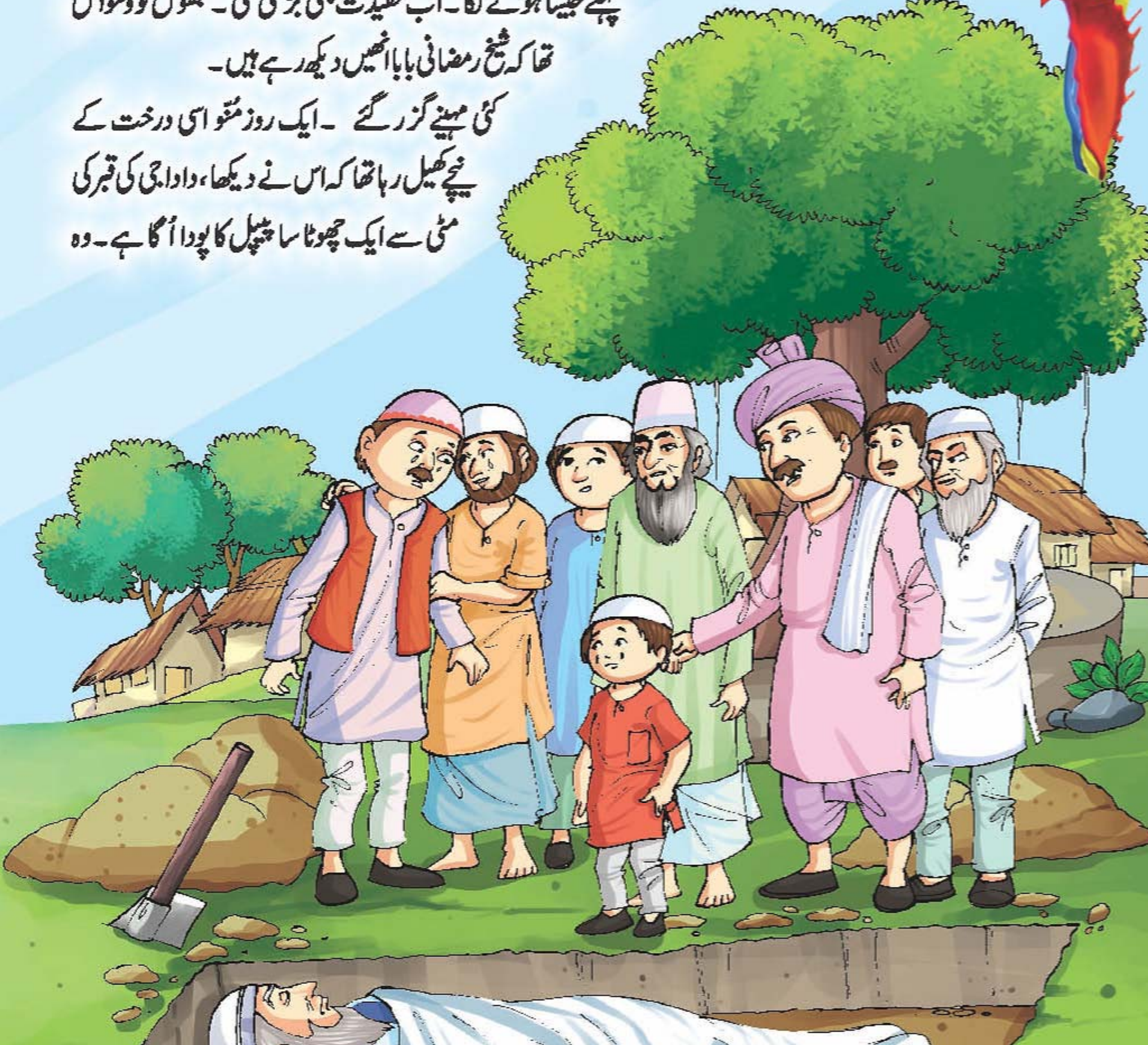

پیارے دوستو! آپ نے بچوں کی دنیا میں کئی اچھے اور مشہور ناولوں کو پڑھا ہے۔ 'شہر میں ایک جنگل' جنگلوں کی دنیا، پیڑ پودوں اور مختلف حشرات الارض کی معلومات پر مبنی ایک دلچسپ سلسلہ ہے جس کے مصنف کمارن ستیہ سیوم ہیں جو ماحولیات اور جنگلاتی زندگیوں پر لکھتے رہے ہیں۔ ان کی کتاب میرین میمل آف انڈیا بھی کافی مقبول ہوئی تھی۔ انھوں نے 1990 میں یہ کتاب Forest in the City لکھی تھی۔ اِس کتاب کو ماحولیات پر بچوں کے لیے لکھی کتابوں پر پہلا انعام بھی دیا گیا تھا۔ کمارن ستیہ سیوم آئی آئی ٹی مدراس (چنئی) میں سات برسوں تک رہے تھے۔ آئی آئی ٹی اس وقت 600 ایکڑ سے بھی زیادہ کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور زیادہ تر گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا۔ کمارن ستیہ سیوم نے ان جنگلوں میں مختلف تجربات کیے تھے اور ان تجربات کو ہی کتابی شکل دی تھی جسے 'بچوں کی دنیا' میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

میرے نیچے پروسوپس (Prosopis) کے درختوں کے درمیان بہت چہل پہل تھی۔ ہوا میں چڑیوں کی چہچہاہٹ تھی۔ لال چڑی، فاختہ، کوئل، بیا اور دوسری چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ چڑیاں جلدی جلدی ایک درخت سے دوسرے درخت کی چوٹی پر تھرک رہی تھیں۔ ان کا ادھر اُدھر جانا اس قدر تیزی میں تھا کہ مجھے ریلوے اسٹیشن پر گاڑیوں کی نقل و حرکت یاد آ گئی۔ یہاں مختلف قسم کی چڑیاں تھیں اور اس جگہ رہنے والی تمام چڑیاں یہاں نظر آ رہی تھیں۔ اس ایک صبح میں مجھے دس نئی قسم کی چڑیاں نظر آئیں۔ میں نے اس وقت کو دس قسم کی چڑیوں کے ملنے کو کہا۔ ان کی گنتی مشکل تھی اور میرے لیے اب زیادہ دلچسپی کی بات یہ تھی کہ میں ایسی جگہ معلوم کروں جہاں بیس طرح کی مختلف چڑیاں پائی جائیں۔

کافی عرصے تک پروسوپس کی شدید مشغولیت نے دور کے نم علاقے سے الگ رکھا۔ ہر مرتبہ جب میں دور سے کھلے ہوئے جنگلی علاقے کی سفید قطار دیکھتا تھا تو ذہن میں یہ ارادہ کر لیتا تھا کہ کسی وقت اس بیش قیمت مقام کی سیر کروں گا۔ وہ جگہ کتنی مختلف اور کتنی قسم کی چڑیوں سے بھری ہوئی تھی اس کا اس وقت مجھے اندازہ ہو سکا جب تک میں وہاں نہیں گیا۔ یہ ایک ایسا مقام تھا جہاں جوزف بھی نہیں پہنچ سکا تھا۔

میرے ایک دوست کے پاس جنھوں نے کالے ہرن کا بچہ اپنے کمرے میں ڈال رکھا تھا، ایک شخص ملنے آیا جو ویلاچری کے پاس ایک دفتر میں کام کرتا تھا۔ یہ جگہ میرے کمرے سے صاف نظر آتی تھی۔ اس شخص نے کافی چڑیاں دیکھی تھیں جنھیں وہ شناخت نہیں کر پایا تھا۔ ہر روز جب وہ کام پر جاتا تھا تو وہ اسے نظر آتی تھیں۔ جب اس نے یہ بات میرے دوست کو بتائی تو اس نے اس مہمان کو فوراً میرے پاس بھیج دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ میں اس میں دل چسپی لوں گا۔ بدقسمتی سے یہ شخص مجھے چڑیوں کے بارے میں تفصیل سے نہ بتا سکا۔ اس نے بس

یہ بتایا کہ وہ چھوٹی چڑیاں تھیں۔ جب میں نے اس سے تشخیص کی کہ مجھے ان کے بارے میں بتاؤ اور رنگوں کے متعلق آگاہ کرو تو وہ کچھ نہ بتا سکا۔ جب میں نے اس سے معلوم کیا کہ جب اس کی نظر ان چڑیوں پر پڑتی تو وہ کیا کرتی ہوتی تھیں تو اس نے بتایا کہ وہ بیٹھی یا اڑتی نظر آتی تھیں۔ میں نے اس سے مزید معلوم کیا کہ وہ چڑیاں کس وقت نظر آتی تھیں تو اس نے بتایا کہ ہر وقت اور ہر جگہ نظر آتی تھیں۔ اس طرح کے نامکمل جوابوں سے میں یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ وہ کیسی چڑیاں ہوں گی۔ یہ بات صاف تھی کہ اس نے ایسی چڑیاں دیکھی تھیں جو یاد رکھنے لائق تھیں اور میں نے اس سے وعدہ کرلیا کہ ہفتے کے آخر میں اس کے ساتھ انھیں دیکھنے چلوں گا۔

ہم اتوار کو سخت دھوپ میں اپنی سائیکلوں پر روانہ ہوئے اور گاؤں سے جلدی گزر گئے۔ شہر کو دور چھوڑ کر جنگلی علاقے میں چلے گئے۔ سڑک نے ایک کھلے ہوئے علاقے کی طرف ہماری رہنمائی کی جہاں آمد و رفت کچھ نہیں تھی اور اتفاق سے ہی کوئی نظر آتا تھا۔ صرف کوڑا ڈالنے کے لیے ٹرالیاں جاتی ہوئی یا خالی واپس آتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں۔ جلد ہی ہم نے دیکھ لیا کہ یہ لاریاں گندگی کو کہاں ڈالتی ہیں۔ یہ سڑک کے اسی طرف تھا جہاں ہم سائیکل پر جا رہے تھے۔ مختلف طرح کے کوڑے کرکٹ کا ایک انبار لگا تھا جو سڑک کی دونوں جانب تھا جس کے باعث وہاں کی فضا بدبودار ہو رہی تھی۔ جب ہم اس ڈھیر سے آگے بڑھ گئے تو ہم نے سکون کا سانس لیا۔

سڑک پر لارک چڑیاں بیٹھی ہوئی مٹی میں سے کچھ کھا رہی تھیں۔ یہ چڑیاں جو ابابیل جیسی نظر آتی تھیں ہمارے قریب جانے پر ڈری نہیں۔ جب ہم بالکل قریب پہنچ گئے تو وہ چہچہا کر قریب کی دوسری جگہ جا کر بیٹھ گئیں۔ میں نے اپنے دوست سے معلوم کیا کہ وہ ان چڑیوں کے بارے میں بتا رہا تھا مگر اس نے بتایا کہ اس نے ان چڑیوں کے بارے میں نہیں

بتایا تھا۔ مجھے پھر تعجب ہوا کہ اسے کوئی بھی تفصیل نہیں معلوم، پھر بعد میں خیال ہوا کہ چڑیوں کے بارے میں کسی شخص کو اتنی معلومات نہیں ہوتیں جتنی ایک تجربہ کار شخص کو ہوسکتی ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم سڑک کے ایک گرد سے بھری راہ پر پہنچے اور آخر کار ایک ایسے احاطے میں پہنچ گئے جس کے چاروں طرف کانٹے دار تار لگے ہوئے تھے۔ وہاں ایک فیکٹری تھی جو مختلف چیزیں جیسے صابن یا جوتے وغیرہ بناتی تھی، اس کی عمارت اس احاطے کے چھوٹے سے علاقے میں تھی اور باقی حصے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ کیچڑ بھری راہوں میں تھوڑے سے راستے بنے ہوئے تھے۔ انھیں راستوں میں سے ایک پر ہم نے چلنا شروع کیا۔ سورج اس تیزی سے چمک رہا تھا کہ ہمیں اس کی گرمی بہت محسوس ہوئی اور میں نے محسوس کرلیا کہ ہم جلدی ہی سخت پیاس محسوس کریں گے۔

گانے والی چڑیا پھڑ پھڑاتے ہوئے پروں سے پانی کے اوپر ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی اور پھر شکار کی تلاش میں پانی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہ بار بار پانی کی تلاش کے لیے ہوا میں معلق (ایک جگہ پر رک جانا) ہوجاتی تھی۔ اس علاقے میں چلتے ہوئے جب ہم ایک مقام پر پہنچے تو ہمیں بہت سا شور وغل سنائی پڑا۔ جب ہم پانی کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ آواز لاتعداد چڑیوں کی تھی جو سب نئی قسم کی چڑیاں تھیں۔ وہاں کوے کی کائیں کائیں، مینڈکوں کی ٹرٹراہٹ، چڑیوں کے چہچہے اور سیٹی کی آوازیں سنائی دے جاتی تھیں۔ ان سب آوازوں کے ملنے کے بعد یہ اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ کس پرند یا چرند کی آواز ہے۔

پانی کے اندر لمبے لمبے سرکنڈے تھے جن کے سرے ہم سے اوپر تھے۔ بہت سی جگہ ان کی لمبائی دس فٹ سے اوپر تھی۔

ہم نے ایک ایسی جگہ کا پتا لگا لیا جہاں زیادہ کیچڑ نہیں تھی اور جو سرکنڈوں کے اندر تھی وہ خشک مقام ہونے کی وجہ سے ہم یہاں آسانی سے آگے چل سکتے تھے۔ یہ خشک مقام جہاں ہم کھڑے تھے پانی سے قریب تھا اور ایک قدم بھی غلط پڑ جائے تو ہم کیچڑ میں دھنس سکتے تھے۔ اس لیے میں نے اپنی دوربین ہر طرح کی چڑیوں کو دیکھنے کے لیے نکال لی لیکن پھر جلد ہی اسے واپس رکھ لیا کیونکہ وہاں کے حالات میں اس کا کوئی استعمال نہ تھا۔ میرے چاروں طرف سرکنڈے اتنے گھنے تھے کہ کسی بھی چڑیا کا جو بہت قریب نہ ہو دیکھنا مشکل تھا اور اتنے قریب کی چڑیا کو دیکھنے کے لیے دوربین کی ضرورت نہیں تھی۔

جب ہم چاروں طرف دیکھ رہے تھے تو ایک ایسی چڑیا پر نظر پڑی جو ابابیل کے برابر تھی۔ شکل اور سائز کے حساب سے ابابیل سے مشابہ تھی لیکن رنگ کی بنیاد پر اس سے مختلف تھی۔ اس کے سر پر ایک چمکیلا زرد تاج تھا اور بھوری اور سفید بیک گراؤنڈ اس پر بنی ہوئی تھی اور اوپر سے یہ بھوری تھی۔ ہر چڑیا اپنے گھونسلے میں ایک گھاس کا تنکا لے جا رہی تھی اور ایک عجیب طرح کی آواز نکال رہی تھی۔ میرے دوست نے مجھے بتایا کہ یہی وہ چڑیا تھی جس کا اس نے ذکر کیا تھا۔ چڑیا اس جگہ گئی جہاں وہ اپنا گھونسلہ بنا رہی تھی۔ یہ گھونسلہ سرکنڈوں کی مختلف چوٹیوں پر بنا تھا جنھیں آپس میں جوڑ لیا گیا تھا۔ گھونسلہ چھوٹا اور بین کی شکل کا تھا جسے گھاس کے تنکوں سے بنایا گیا تھا۔ یہ آدھا تیار ہوچکا تھا اور نصف گولے کی شکل میں نظر آتا تھا۔ گھونسلے کے سرے پر کچھ کیچڑ بھی نظر آرہی تھی۔ چڑیا جھکے ہوئے سرکنڈے کے ڈنڈے پر لٹکی ہوئی تھی اور گھاس کے تنکوں سے گھونسلہ بنا رہی تھی۔

گھونسلے کو دیکھ کر میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ 'بیا' ہے جسے ماہر

فن (Architect) کہا جاتا ہے اور جس کا گھونسلہ ایک خاص طرز کا بنا ہوتا ہے جبکہ بہت سی چڑیاں اپنا گھونسلہ سادہ پیالے کی شکل کا بناتی ہیں۔ 'بیا' مکمل گول شکل کا گھونسلہ بناتا ہے جس میں ٹیوب کی شکل کا داخل ہونے کا راستہ ہوتا ہے۔ اس کے اندر کھوکھلے حصے میں انڈے دیے جاتے ہیں اور بچے نکالے جاتے ہیں۔ بچوں کی پرورش بھی یہیں ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ وہ کیچڑ جس کا پلاسٹر وہ اندر کرتی ہے وہ جگنو کو اندر لانے کے لیے ہوتا ہے تاکہ اندر روشنی رہ سکے۔ یہ ایک عجیب تصور تھا لیکن نرالی بات تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اکثر رنگین پھول اس کیچڑ سے چپکا دیے جاتے تھے جس سے یہ گھونسلہ اس کے ساتھی کے لیے پرکشش ہو جاتا تھا۔ صرف نر چڑیا ہی گھونسلہ بناتی ہے۔ یہ چڑیاں مل کر رہتی ہیں اور پورے سال وہاں نظر آتی ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ نئی بستیوں میں بھی اپنے گھونسلے بناتی ہیں۔ چاروں طرف دیکھنے سے مجھے معلوم ہوا کہ ان کے بہت سے گھونسلے سرکنڈوں سے بنے ہوئے تھے۔

ہم کافی دیر تک وہاں ٹھہرے اور بَیوں کو ان کے گھونسلے بناتے ہوئے دیکھتے رہے کیونکہ ہم وہاں خاموشی سے کھڑے تھے۔ ان چڑیوں نے محسوس کر لیا کہ ہم انھیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے تو وہ ہمارے قریب سے گزرنے لگیں۔ ان چڑیوں کو اپنے قریب دیکھ کر ایک عجیب طرح کی خوشی کا احساس ہوا۔ میں ان کے اور ان کے گھونسلوں کے کچھ فوٹو لینے لگا۔ 'بیا' ہی ان سرکنڈوں کے درمیان رہنے والی واحد چڑیا نہیں تھی۔

میں نے ایک چھوٹی نیلی چڑیا (رام چڑیا) بھی دیکھی جو دوسری رام چڑیوں سے سائز میں بہت چھوٹی تھی۔ اس علاقے میں مختلف چڑیوں کی کئی قسمیں تھیں۔ بدقسمتی سے مجھے ان کی ہلکی سی جھلک نظر آ سکی کیونکہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تھرکتی رہتی تھیں۔ اپنی بے چین آوازوں سے انھوں نے وہاں کی فضا

کو پرسکون نہیں رہنے دیا تھا۔ شاید دوسری طرح کی چڑیاں بھی آوازیں نکال رہی ہوں اور مختلف آوازوں کی وجہ سے وہاں کا ماحول حیران کن ہوگیا تھا۔ میں نے بگلوں کی تین قسموں کی شناخت کی اور چوں کہ وہ سب میرے لیے نئی تھیں اس لیے میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔

بیٹرنس پانی سے پیدا کرنے والی چڑیوں ہیرن اور اگیریٹ (Herans or Egerts) قسم کی ہیں اور شکل میں ایک جیسی لگتی ہیں۔ ان کی لمبی نکیلی چونچیں لمبی ٹانگیں بڑے پنجے اور لمبی گول گردنیں ہوتی ہیں۔ شکار کو پکڑنے کے وہ قریب قریب ایک ہی طریقے کو استعمال کرتی ہیں۔ پہلے پانی میں خاموشی سے انتظار کرتی رہتی ہیں اور پھر تیزی سے اپنی لمبی گردن کو پھیلا کر شکار پر جھپٹتی ہیں۔ بہرحال جبکہ بہت سی بگلے کی قسم کی چڑیاں بڑے جھنڈ میں پائی جاتی ہیں۔ جبکہ وہ گھونسلہ بناتی یا کھاتی ہوئی ہوتی ہیں۔ بیٹرنس (Betterns) تنہا رہنے کی عادی ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ (Herans or Egerts) چڑیاں شرمیلی نہیں ہیں اور کھیتوں یا کھلے ہوئے پانی والے علاقوں میں آسانی سے نظر آجاتی ہیں لیکن بیٹرنس گھنے سرکنڈوں کے کھیتوں میں ملتی ہیں جہاں وہ آسانی سے چھپ جاتی ہیں۔ اس طرح کی ایک چڑیا جس کا رنگ سرکنڈوں سے مشابہ ہوتا ہے اس کا دیکھنا بہت مشکل ہے۔ جب اسے کوئی چھیڑتا ہے تو اپنے سر کو معمولی جھٹکا دے کر وہ غائب ہوجاتی ہے۔ اس کے اس رویے کی وجہ یہ معلوم ہوئی ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے بہت محتاط ہے۔ دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ وہ اپنی گردن اٹھا کر جب گھماتی ہے تو اس کی آنکھیں قریب آتے ہوئے خطرے کو فوراً دیکھ لیتی ہیں۔

اس دن مختلف دوسری چڑیاں سرکنڈوں کے اس علاقے میں دیکھی گئیں اور میرے پاس ان سب کو پہچاننے کا وقت نہیں تھا۔ اس وقت سخت گرمی پڑ رہی تھی اور میں بے چین ہو رہا تھا کیونکہ سورج ہمیں بھونے ڈال رہا تھا اور ہمارے کپڑے پسینے میں تر تھے اس لیے ہم اس دلدلی دنیا سے دلچسپ چڑیوں کی جھلک دیکھ کر واپس آگئے۔

اس کے بعد ہم کتنی مرتبہ اس دلدلی علاقے میں گئے کیونکہ وہ ویلاچری گاؤں کے قریب تھے۔ ہم نے اس جگہ کا نام ویلاچری دلدل یا ویلس دلدل رکھ دیا۔ اس کے بعد ہم نے اس کا نام بدل کر New South Wales یا صرف Wales رکھ دیا۔

اس دلدلی علاقے میں جانے کے لیے ہم خاص سڑک کے پاس کی عمارت تک جاتے تھے جہاں شہر کے ہوائی اڈے کے افسران اپنا سامان رکھتے تھے۔ وہاں ایک بوڑھا چوکیدار ہوتا تھا جو وہاں کے ساز و سامان کی حفاظت کرتا تھا۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ اندر کی مشنری کس کام آتی ہے۔ ایک دن وہ ہمیں چھوٹی سی عمارت میں گھمانے لے گیا جہاں الیکٹرونک کا کچھ سامان صندوقوں میں بند تھا جس میں سوئچ اور میٹر وغیرہ رکھے تھے۔ ایک کونے میں جنریٹر رکھا تھا جس میں سے آواز آتی رہتی تھی۔ بلڈنگ کے باہر ایک چھوٹا سا انٹینا تھا۔ ایک مرتبہ وہاں آنے پر ہم نے دیکھا کہ سب آلات ہٹا دیے گئے تھے اور محافظ (گارڈ) خالی عمارت کی حفاظت کر رہے تھے۔

(جاری...)

■

ماخذ: شہر میں ایک جنگل، مصنف: کمارن ست سیوم، مترجم: عباس آصف، مصور: بی جی ورما، ناشران: چلڈرن بک ٹرسٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

پروانہ برہانپوری

امتحان

ایک زمانے میں ایک بادشاہ تھا راجہ مان سنگھ۔

راجہ مان سنگھ نہایت رحم دل، دیانت دار اور انصاف پسند بادشاہ تھا جس کی وجہ سے دور دور تک اس کا چرچہ تھا اور اس کی رعایا کے لوگ امن وسکون کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کے دربار میں جو بھی انصاف کے لیے گہار لگاتا، اسے ضرور انصاف ملتا تھا۔ جب راجہ بوڑھا ہو گیا تو اسے اپنا جانشین مقرر کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔

اس کے تین بیٹے تھے۔ رمن سنگھ، کرن سنگھ اور رتن سنگھ۔ اسے اپنے تینوں بیٹوں سے بڑی محبت تھی مگر وہ اپنی رعایا سے پیار کرنے والا بادشاہ تھا، اس لیے چاہتا تھا کہ اس کا جانشین وہی بنے جو قابل ہو۔

اس کے لیے اس نے ایک ترکیب سوچی اور اپنے تینوں بیٹوں کو تھوڑی زمین دے کر اس زمین پر کاشت کاری کرنے کا حکم دے دیا اور پہلی فصل کے کٹنے تک محل میں ان کی آمدورفت پر پابندی لگادی۔

تینوں بھائیوں نے اپنی اپنی زمین پر کھیتی شروع کردی کیونکہ وہ راج گھرانے کے تھے اور یہ سب ان کے لیے بالکل نیا تھا تو انھیں بہت مشکل ہوتی تھی۔ تینوں بھائی اپنی اپنی زمینوں پر خوب محنت کرتے تھے مگر سب سے چھوٹا بھائی رتن سنگھ اپنے کھیت میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بھائیوں کا بھی ہاتھ بٹاتا تھا۔ رمن سنگھ اور کرن سنگھ کو جب بھی کوئی ضرورت ہوتی وہ رتن سنگھ کو بلوا لیتے تھے۔ رتن سنگھ بھی خوش دلی سے ان کی مدد کردیا کرتا تھا۔

شب وروز اسی طرح گزرتے رہے اور آخر وہ دن آگیا جب تینوں بھائیوں کے کھیتوں کی فصلوں کی کٹائی ہوئی۔ راجہ نے تینوں بھائیوں کو دربار میں طلب کیا اور ان کی فصلوں کا موازنہ کروایا تو سب سے بڑے بھائی رمن سنگھ کے کھیت کی فصل سب سے زیادہ تھی۔ دوسرے نمبر پر منجھلے بھائی کرن سنگھ

شیخ عظمیٰ حنیف

کے کھیت کی فصل تھی اور رتن سنگھ جو سب سے چھوٹا تھا اس کے کھیت میں سب سے کم پیداوار ہوئی تھی۔ مگر جب راجہ مان سنگھ نے اپنا جانشین مقرر کرتے ہوئے سب سے چھوٹے بیٹے رتن سنگھ کا نام لیا تو سب حیران ہوگئے۔ سب کو متحیر دیکھ کر راجہ نے کہا ”آپ لوگ یہ سمجھے ہوں گے کہ یہ کاشتکاری کا کوئی مقابلہ تھا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہے یہ کوئی مقابلہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک امتحان تھا اور رتن سنگھ اس امتحان میں کامیاب ہوگیا ہے۔ اصل بادشاہ وہ نہیں ہوتا جو صرف اپنے بارے میں سوچے بلکہ وہ ہوتا ہے جو پہلے دوسروں کے بارے میں سوچے۔ بادشاہ دراصل قوم کا خادم ہوتا ہے اسے راجہ بننے کا کوئی حق نہیں جو اپنے مقام و مرتبے کو صرف اپنے فائدے کے لیے استعمال کرے۔ مجھے امید ہے کہ راجہ رتن سنگھ ہماری توقعات پر کھرے اتریں گے اور ہمارے لیے ایک بہترین حکمراں ثابت ہوں گے۔“

راجہ مان سنگھ کی بات کے اختتام پر دربار راجہ مان سنگھ اور راجہ رتن سنگھ کی جے جے کار سے گونج اٹھا۔

■

Parwana Burhanpuri
Ghazi Salar Maidan, Mala
Mominpura
Barhanpur - (MP)

اقوالِ زریں

* خدا پر ہمیشہ بھروسہ رکھو کیونکہ اللہ وہ نہیں دیتا جو آپ کو اچھا لگتا ہے بلکہ وہ دیتا ہے جو آپ کے لیے اچھا ہوتا ہے۔
* بہترین لوگ بہترین نیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے خدا ان کے تمام کاموں کو سنوار دیتا ہے اور جس کے کام کو اللہ سنوار دے تو کوئی مخلوق اسے کیسے بگاڑ سکتی ہے۔
* تمہارا ایک ہی رب ہے پھر بھی تم اسے یاد نہیں کرتے لیکن اس کے کتنے بندے ہیں پھر بھی وہ تم کو نہیں بھولتا۔
* کوئی تمھارا دل دکھائے تو ناراض مت ہونا کیونکہ قدرت کا قانون ہے جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے لوگ پتھر بھی اسی کو مارتے ہیں۔
* کسی کو نصیحت کرو لیکن اس طرح کہ وہ تمھاری بات مان لے، نہ کہ تمھارا دشمن ہوجائے۔

■

Shaikh Uzma Haneef
Ali Saheb
Mohalla Nandu Bar (Maharashtra)

انا جاں نثار احمد نیک

سنہری باتیں

* دنیا میں کوئی رشتہ ماں سے زیادہ پیارا نہیں۔
* بچے کے لیے سب سے اچھی جگہ ماں کی گود ہے۔
* ماں کی نافرمانی کرنے والا کبھی سکون نہ پائے گا۔
* ماں کا غصہ وقتی ہوتا ہے جو فوراً زائل ہو جاتا ہے۔
* ماں کا پیار کسی کو دکھانے یا بتانے کا نہیں ہوتا ہے۔
* ماں کی اطاعت کرنے والا جنت میں جائے گا۔
* ماں کے بغیر گھر ویران ہوتا ہے۔
* ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
* ماں خدا کا عظیم تحفہ ہے۔
* دنیا کی سب سے بڑی ہستی ماں اور صرف ماں ہے۔
* ماں وہ انمول موتی ہے جو ایک بار کھو جانے کے بعد دوبارہ نہیں ملتا۔
* ماں کے بغیر گھر قبرستان ہے۔
* مالی نے کہا ماں گلشن کا دلکش پھول ہے۔
* آسمان نے کہا ماں زمین پر اللہ تعالیٰ کا خوبصورت تحفہ ہے۔
* شاعر نے کہا ماں ایک ایسی غزل ہے جو ہر دل میں سما جاتی ہے۔
* بادل نے کہا ماں ایک ایسی دھنک ہے جس میں ہر رنگ نظر آتا ہے۔
* چاند نے کہا ماں ایک ایسی ہستی ہے جو اپنی اولاد کے لاکھوں راز اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپا لیتی ہے۔

■

Annajan Nisar Ahmad Naik
6th Class, G.U.H.P. School
No:2 Bailhongal , Karnataka

محمد ارقم

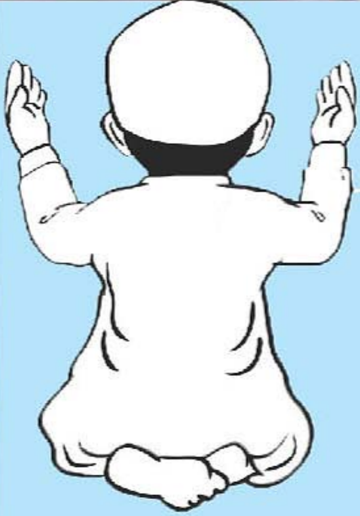

دعا

ہاتھ اٹھائے سر کو جھکائے
تیرے کرم کی آس لگائے
ہم آئے ہیں تیرے در پہ
ہم پہ خدایا ایک نظر کر
رحمت سے دن پھیر ہمارے
ہم جیتے ہیں تیرے سہارے
نام پہ تیرے جان فدا ہو
کوئی نہ دل میں تیرے سوا ہو
سیدھی راہ دکھا دے ہم کو
نیک انسان بنا دے ہم کو
راحت دے دے عزت دے دے
علم و ہنر کی دولت دے دے

■

Mohammad Arqam
Fahimuddin Khan, Falcon English School
Amravati (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہو گئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

ہنسی کے غبارے

ایک کلرک نے اپنے افسر کو کھانے پر بلایا، کلرک اور اس کی بیوی نے اس کی خوب خاطر تواضع کی جس پر افسر بہت خوش ہوا۔ کلرک نے سوچا، اب اس کی ترقی ہو جائے گی۔ جب صاحب کھانا کھا کر جانے لگے تو کلرک کا بچہ آیا اور کہنے لگا۔

”ڈیڈی! یہ انکل اتنے موٹے تو نہیں پھر آپ انھیں گینڈا کیوں کہتے ہیں۔“

ایک صاحب ماہر فلکیات تھے۔ ایک رات وہ دوربین آنکھوں میں لگائے تاروں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے چوکی دار نے آسمان پر ایک ستارے کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا تو بولا: ”واہ صاحب! کیا نشانہ ہے۔“

سزائے موت کے مجرم کو بجلی کی کرسی پر بٹھا کر سزائے موت دی جا رہی تھی۔ بجلی کا بٹن دبانے والے نے آخری بار مجرم سے پوچھا:

”تمھاری آخری خواہش کیا ہے؟“

مجرم نے جواب دیا: ”میرا ہاتھ پکڑ لو۔“

سلیم (امجد سے): ”تمھارے ابو کیا کام کرتے ہیں۔“

امجد: ”وہ ایک ایسا آلہ بناتے ہیں جس سے دیوار کے آر پار دیکھا جا سکتا ہے۔“

سلیم (حیرت سے): ”اچھا! اُس آلے کا نام کیا ہے۔“

امجد (اطمینان سے): ”کھڑکی۔“

باپ نے غصے سے بیٹے کو کہا: ”میں نے اپنا عیش و آرام غارت کیا۔ دن رات محنت کی۔ ایک ایک پیسہ جمع کر کے تمھیں میڈیکل کالج میں داخلہ دلوایا اور اب ڈاکٹر بنتے ہی مجھ سے کہہ رہے ہو: ”اباجی! سگریٹ چھوڑ دیں۔“

کسی شخص کو اتفاق سے ایک بڑا سرکاری عہدہ مل گیا۔ اس کے دوست احباب خوش ہو کر اسے مبارک باد دینے لگے مگر اس نے کسی کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا: ”تم کس لیے آئے ہو؟“

اس آدمی نے جواب دیا: ”جناب! افسوس کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ اندھے ہو گئے ہیں۔“

جویریہ فردوس بنت اشفاق احمد

دوستی

دو دوست تھے۔ ایک یتیم تھا اور دوسرا غریب۔ یتیم کا نام اشعر تھا اور غریب کا نام عمر۔ اشعر چھوٹی عمر کا ہونے کے باوجود خوددار تھا۔ اشعر اپنے والدین کے انتقال کے بعد خود محنت کر کے کماتا تھا۔ اپنے اخراجات خود پورے کرتا تھا۔ اشعر اور عمر کی اسکول میں مثالی دوستی تھی۔ دونوں دوست گذشتہ درجات کی کامرانیوں کا سفر طے کرتے ہوئے میٹرک میں پہنچ گئے۔ میٹرک میں داخل ہونے کا پہلا دن تھا۔ اسی روز عمر کے امی، ابو کا ایک حادثے میں انتقال ہوگیا۔ اب عمر بھی تنہا رہ گیا تھا۔ عمر کے امی ابو کرائے کے گھر میں رہتے تھے۔ اس کے امی ابو کے انتقال کے بعد مالک مکان نے کرایہ نہیں ملنے کے سبب عمر کو کرائے کے مکان سے نکال دیا۔ وہ اشعر سے ملا۔ اشعر اسے اپنے گھر لے گیا۔ اب انھوں نے طے کیا کہ کل سے وہ پابندی کے ساتھ اسکول جائیں گے۔ انھیں پتہ نہیں تھا، اس اسکول میں میٹرک میں پہنچتے ہی ہر ماہ اسکول فیس ادا کرنی ہوگی۔ کتابوں کے لیے بھی پیسے لگیں گے۔ اشعر کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے پکا ارادہ کرلیا کہ عمر کے ماں باپ چاہتے تھے وہ بڑا ہو کر پڑھ لکھ کر اچھا ڈاکٹر بنے گا۔ اشعر نے سوچا میں یتیم ہوں مگر عمر کے ماں باپ، میرے ماں باپ کی طرح تھے۔ اب اشعر کمائے گا اور عمر کی تعلیم مکمل کروائے گا۔

اشعر تو پڑھائی میں پہلے سے ہی کمزور تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ عمر کی پڑھائی مکمل کروائے گا۔ اشعر نے عمر سے کہا ”اب میں آگے پڑھنا نہیں چاہتا، کیونکہ میں پڑھائی میں کمزور ہوں۔ میں اتنے پیسے بھی نہیں کما سکتا کہ دونوں کی پڑھائی کا خرچ برداشت کرسکوں۔ اشعر نے کہا کہ وہ اپنے ابو کا ہوٹل چلائے گا۔ عمر نے اشعر کو اسکول کی تعلیم ترک کرنے سے منع کیا۔ اشعر نے عمر سے کہا ”تمھیں اپنے امی ابو کا واسطہ کہ تم ان کا خواب پورا کرو گے۔ عمر، اشعر کو کوئی جواب نہ دے پایا۔ صرف عمر نے اشعر سے کہا ٹھیک ہے۔ جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گا، تو تمھیں میری ہر بات ماننی ہوگی۔ یہ بات تو مجھے تم سے پوچھنی چاہیے کہ ڈاکٹر بننے کے بعد تم مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے۔

دن گزرتے گئے۔ عمر ایک کامیاب، عظیم، ہونہار، یتیموں کا مددگار اور مسکینوں کا مسیحا ڈاکٹر بن گیا۔ اشعر شہر کے سب سے بڑے ہوٹل کا مالک بن گیا۔ دونوں کی دوستی قائم رہی۔ دونوں کی دوستی ایسی تھی جیسے ایک سکے کے دو پہلو۔

■

Juwairia Firdaus D/o Ashfaque Ahmad
Anjuman Anwarul Islam High
School & Junior College
Balapur (Maharashtra)

ابوبکر نور محمد

تاج محل

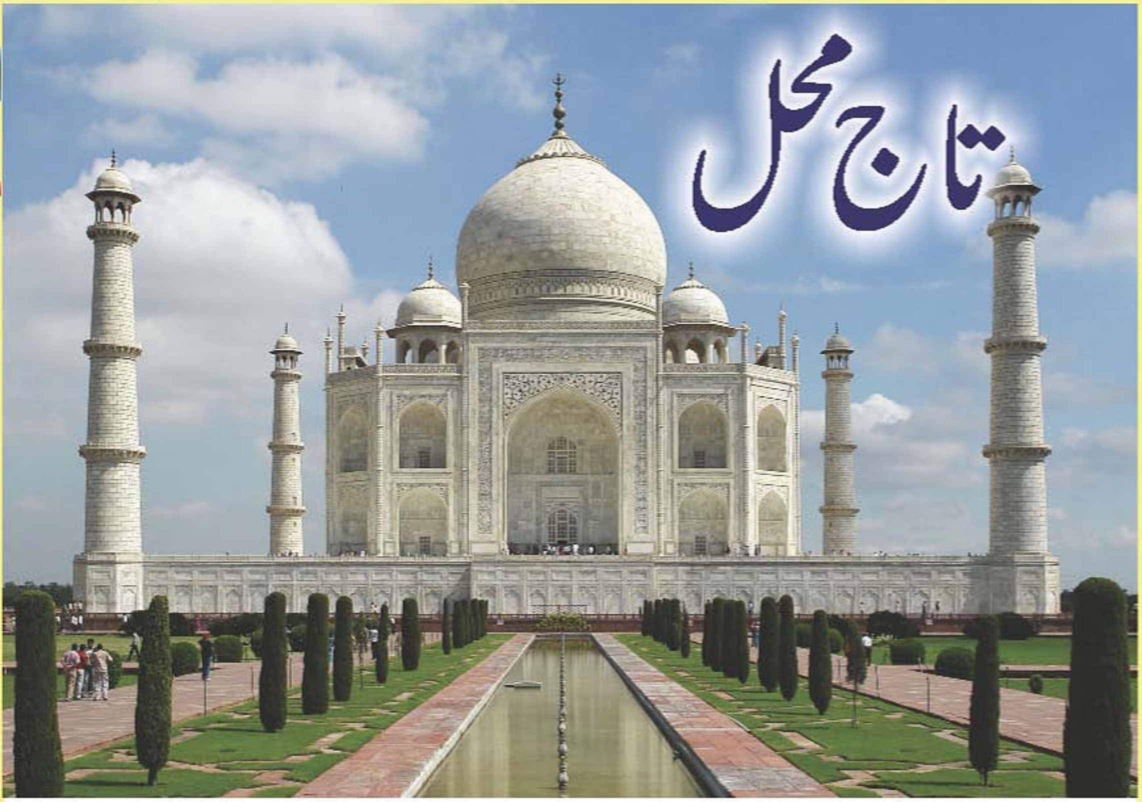

تاج محل کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے۔ تاج محل آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے واقع ہے۔ یہ ایک شاندار مقبرہ ہے۔ اس کو مغل شہنشاہ شاہ جہاں نے اپنی چہیتی بیوی ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کروایا تھا، جو صرف 37 سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوگئی تھیں۔

ممتاز محل کا اصل نام ارجمند بانو تھا۔ ایک بار ممتاز محل بہت بیمار ہوئیں اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس نے شاہ جہاں سے کہا کہ مرنے کے بعد میری قبر پر ایسی عمارت بنوانا جس کا دنیا میں کوئی ثانی نہ ہو۔ شاہ جہاں نے وعدہ کرلیا اور تاج محل کی تعمیر کروائی۔ اس کا نقشہ استاد عیسیٰ نے بنایا تھا۔

اس عمارت کو تعمیر کرنے میں ایک کروڑ روپے خرچ ہوئے۔ 20 ہزار کاریگروں نے دن رات تقریباً 22 سال میں اسے مکمل کیا۔ اس کا حسن 350 سال سے بدستور قائم ہے۔ پوری دنیا سے سیاح اس کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں اور اس کی تصویر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ تاج محل کے اندر سنگ مرمر کی دو نمائشی قبریں ہیں۔ اصل قبریں نیچے تہ خانے میں ہیں۔ ایک قبر ممتاز محل کی اور دوسری شاہ جہاں کی ہے۔

تاج محل کی خوبصورتی چاندنی رات میں دوگنی ہوجاتی ہے۔ اس وقت یہاں بہت رونق ہوتی ہے۔ آج شاہ جہاں اور ممتاز محل اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن تاج محل ان کی محبت کی بے مثال یادگار ہے۔ موقع ملے تو زندگی میں ایک بار تاج محل ضرور دیکھنا۔

■

Abu Bakar Noor Ahmad Lakhanavi
Std: 4, UGS No2 Bailhongal, Karnataka

فیبہ بلال، درجہ: یو کے جی، محمدیہ ماڈل اسکول، کھڑی بانہال، کشمیر

ثانیہ انجم عبدالمتین عبدالرشید اردو اسکول آکوٹ، ضلع آکولہ، مہاراشٹر

ثانیہ پروین عبدالغفار، عبدالرشید اردو اسکول، آکوٹ، ضلع آکولہ، مہاراشٹر

محمد مدثر محمد شاہد، درجہ: ہشتم
نور اردو ہائی اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

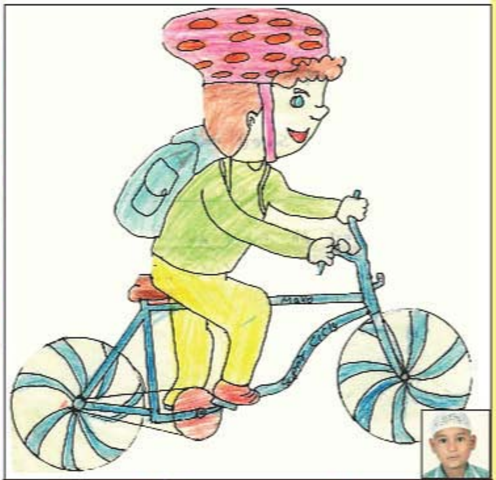

نبیل احمد سعید احمد، درجہ ہشتم
نور اردو ہائی اسکول، دھولیہ، مہاراشٹر

یسریٰ خان، درجہ سوم، جامعہ اردو پرائمری اسکول، اکل کوا، مہاراشٹر

محمد ایان الطیب، درجہ سوم، الحمد پرائمری اسکول، ضلع ناندیڑ، مہاراشٹر

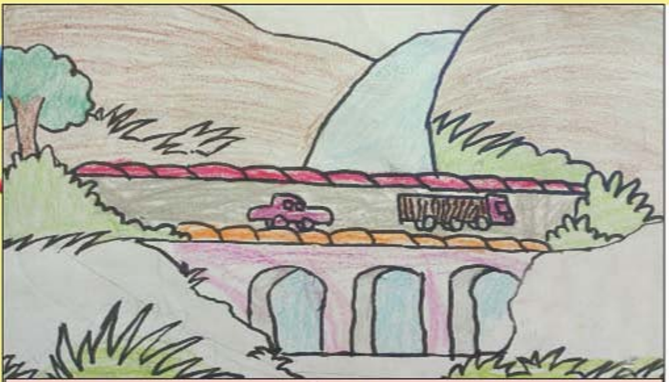

انعام امان خاں، درجہ ہفتم، رفیع احمد قدوائی، مہاراشٹر

مسکان پروین عارف خان، درجہ پنجم، نیم گاؤں، مہاراشٹر

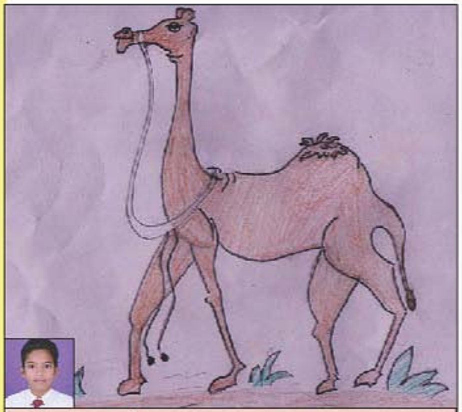

سید تابش سید اشفاق، درجہ ہشتم
مولانا آزاد ہائی اسکول، نندورہ، مہاراشٹر

کاشف کاشف شیخ صابر، درجہ پنجم (بی)
نیشنل اردو ہائی اسکول، دھولے، مہاراشٹر

ثانیہ شیخ ابراہیم، درجہ پنجم، نیم گاؤں، مہاراشٹر

اردو فیس بک facebook

مجھے ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے اور میں ہر ماہ اس کو پابندی سے پڑھتی ہوں۔ اس میں ایک کالم 'ننھے فنکار' کے نام سے بہت پسند آیا۔

الفیہ صدف، درجہ پنجم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، ناندیڑ، مہاراشٹر

نومبر 2018 کا 'بچوں کی دنیا' موصول ہوا۔ سرورق سے لے کر اردو فیس بک تک رسالہ خوب سے خوب تر ہے۔ ہم تین بھائی ہیں۔ ہم تینوں کو رنگ نرالے سرکس کا مضمون بہت پسند آیا۔ ہم خوب ہنسے، خوب Enjoy کیا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

بچوں کے دادا جان کی کہانی اور تہوار روشنی کی تخلیقات بھی بہت پسند آئیں۔ گدڑی کے لعل بھی عمدہ کہانی ہے۔ ہم یہ کہانی اپنے دوستوں کو سنائیں گے۔ 'بچوں کی دنیا' میں مقابلے شروع کیجیے۔ یہ ذہنی پرورش پر زور دیتے ہیں۔

فاروق عثمان یوسف، انیس منزل، مومن پورہ، ناگپور، مہاراشٹر

'بچوں کی دنیا' کا تازہ شمارہ ملا، شکریہ۔ جب بھی 'بچوں کی دنیا' آتا ہے تو اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کیونکہ بچوں کی دنیا ایک رسالہ ہی نہیں بچوں کے لیے انمول تحفے کے ساتھ ساتھ معلومات کا ایک خزانہ بھی ہے۔ اس شمارے میں آپ کا اداریہ بھی خوب ہے جیسا کہ آپ نے لکھا ہے موسم کا تبدیل ہونا اور یہ تبدیلی Human activities کی ہی وجہ ہے۔ آج deforestation بڑھتا ہی جا رہا ہے، جنگلوں میں آگ یعنی فارسٹ فائیر بھی موسم تبدیلی کی ایک وجہ بن چکی ہے۔ ندیوں میں گندگی کی وجہ اور ساتھ ہی Fertilizers وغیرہ کا ندیوں میں ملنا پانی میں رہنے والے جانوروں کے مرنے کی وجہ بنتا جا رہا ہے۔ کارخانوں سے دھواں نکلنا، سی ایف سی ایس کاربن کا زیادہ تعداد میں ہوا کے ساتھ ملنا موسم کی تبدیلی کی وجہ بن چکے ہیں۔ یومِ جمہوریہ سے متعلق مضامین معلوماتی ہیں خاص طور پر خلیق الزماں نصرت اور محمد شمیم کے مضامین اچھے لگے۔ جتنی جدو جہد رہنماؤں نے کی ہے اسے بھولا نہیں جا سکتا اور آزادی ہماری لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ لیو ٹالسٹائی پر اسلم کھوکھر کا ترجمہ معلوماتی ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر ان کی زندگی کے کئی پہلو اجاگر ہوئے۔ سلام بن رزاق کی کہانی 'ممتا' کا جواب نہیں۔ اس کہانی میں 'رادھا' کا کردار سب سے زیادہ پسند آیا۔ عبداللہ ابراہیم کی کہانی 'اچھی سوچ' میں جو مثال ہے وہ پسند آئی کیونکہ ہماری Society ہماری تربیت میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

استوتی اگروال، اگروال جیولرز، سرونج، مدھیہ پردیش

'بچوں کی دنیا' بہت اچھی میگزین ہے۔ میں ہر مہینے اس کو بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ کہانیاں، نظمیں اور مضامین بہت اچھے ہوتے ہیں۔

طوبیٰ سحر عرف مہک، درجہ ششم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

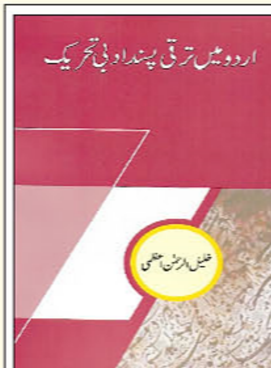

صفحات:410، قیمت:185 روپے

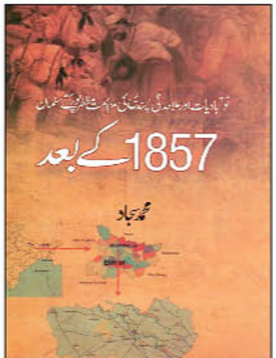

صفحات:333، قیمت:160 روپے

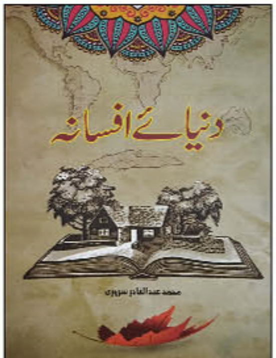

صفحات:131، قیمت: 85 روپے

صفحات:194، قیمت: 115 روپے

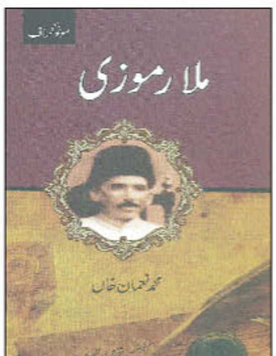

صفحات:128، قیمت: 80 روپے

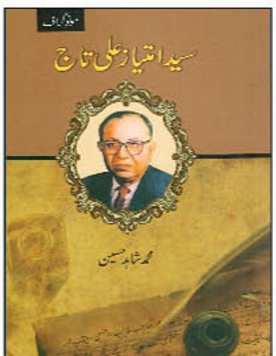

صفحات:136، قیمت:80 روپے

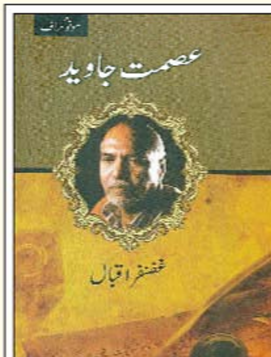

صفحات: 102، قیمت:68 روپے

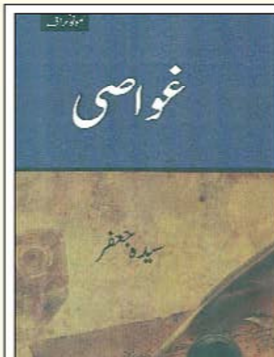

صفحات:140، قیمت:82 روپے

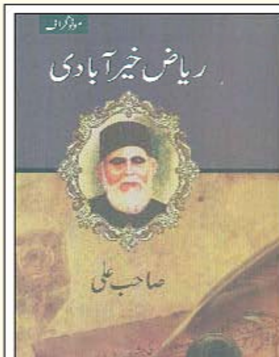

صفحات:115، قیمت:75 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون:011-26109746 فیکس:011-26108159 sales@ncpul.in , E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

BACHON KI DUNIYA Monthly, March 2019, Vol. 07, Issue: 03
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/02/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات: 82، قیمت: 35 روپے

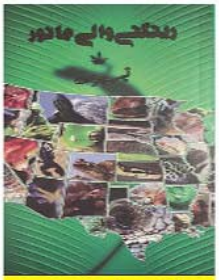
صفحات: 84، قیمت: 22 روپے

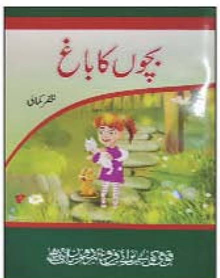

صفحات: 64، قیمت: 24 روپے

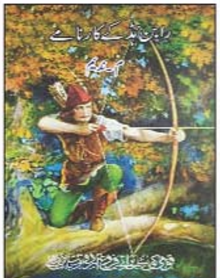
صفحات: 100، قیمت: 28 روپے

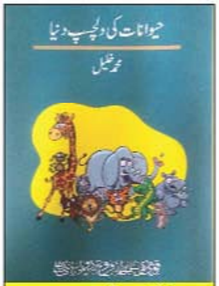

صفحات: 82، قیمت: 24 روپے

صفحات: 131، قیمت: 30 روپے

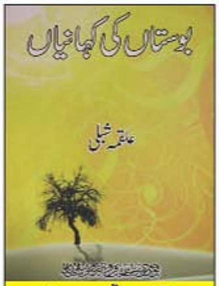

صفحات: 87، قیمت: 20 روپے

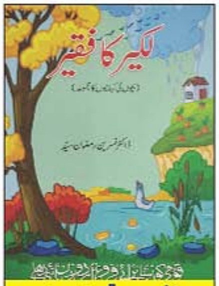

صفحات: 131، قیمت: 30 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com,sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.